مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه نقوش اسلام

VOL.No.5	مارچ ر اپریل ۲۰۱۰ء (March.April,2010) ربیع الاول، ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ	Issue.No.1.2

زیر سرپرستی

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری

عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی

مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی — الحاج موسیٰ بھائی درسوت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی — مولانا محمد احمد صالح جی

مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام — مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ..................۱۰ر روپے

سالانہ......................۱۰۰ر روپے

خصوصی...... ......۳۰۰۰ر روپے

ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

iles\A017.TI not found. Files\A003.TIF not found. iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
نقوش اسلام اپنی عمر کے پانچویں سال میں	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مشعل راہ		۵
ملفوظات حضرت مرشد الامت	مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی	
ایمان کی بادبہاری		۸
''انیشا'' اسلام کی آغوش میں	مولانا محمد جعفر مسعود حسنی ندوی	
سیرت عائشہ		۱۲
عورتوں کا کردار......	مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی	
تجزیہ		۱۸
علم کی حقیقی طلب کے چار بنیادی......	مولانا محمد حذیفہ وستانوی اکل کوا	
جائزہ		۲۵
جب مافیا راج کو ختم کرنے والے......	مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی	
پیکر اخلاص		۲۷
قحط الرجال کے اس پرفتن دور میں	محمد مسعود عزیزی ندوی	
پردۂ نسواں		۲۹
عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کا حکم	محمد شمشیر عالم قاسمی	
عشق نبی		۳۱
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	محمد مسعود عزیزی ندوی	
سخن دلنواز		۳۹
خدمت خلق میں مصروف............	مولانا محمد ابصار الحق قاسمی	
سفرنامہ		۴۳
جوتھی دل میں تمنا ہوگئی پوری	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
جذبۂ ایمانی		۴۵
شہیدوں کی ماں............	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
؍؍ ؍؍ اول اندرونی	؍؍ ؍؍	۲۵۰۰............
؍؍ ؍؍ آخر اندرونی	؍؍ ؍؍	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
۱/۴ صفحہ ؍؍		۴۰۰............

اعتذار

قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مرکز کے کچھ ضروری کاموں کی وجہ سے مارچ واپریل کا مشترکہ شمارہ شائع کیا جارہا ہے، جس پر ادارہ قارئین کرام سے معذرت خواہ ہے۔ (ادارہ)

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰؍روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

نقوش اسلام اپنی عمر کے پانچویں سال میں

محمد مسعود عزیزی ندوی

رب کائنات کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ اس نے نقوش اسلام کو اپنی عمر کی چار منزلیں پوری کر کے پانچویں منزل میں قدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائی، خالق ارض وسماء جس کی ذات حی قیوم ہے، وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، وہ جس کو دوام بخشنا چاہے، جس کو باقی رکھنا چاہے یہ اس کی کرشمہ سازی ہے، ورنہ تو اس کا اصول ہے کہ جس چیز میں نافعیت اور انفعیت اور افادیت نہیں، اس کو وہ زیادہ دن تک باقی نہیں رکھتا، مگر جس چیز میں نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے، اس کو جب تک چاہے باقی رکھتا ہے اور اس کی بقاء کے اسباب بھی مہیا کرتا ہے۔

آج کل کی ہوش ربا گرانی میں کسی رسالے کا وہ بھی دینی رسالے کا باقی رہنا اور تسلسل کے ساتھ شائع ہونا محض فضل الٰہی اور رحمت خداوندی ہی ہوسکتا ہے، اس لیے کہ بہت سے رسائل کے ذمہ داران کو شکوے شکایت ہی کرتے دیکھا گیا ہے، اور ان کا شکایت کرنا بھی بے وجہ اور بے سود نہیں کیونکہ حالات کچھ اس طرح کے ہیں کہ لوگوں کے پاس دنیا بھر کی خرافات کے لیے، رسم ورواج کے لیے، شادی بیاہ میں فضول خرچی کے لیے اور بہت سی بے راہ روی کے لئے تو پیسے ہیں، بلکہ ایک خاص بجٹ ہے، لیکن دینی رسالے کے خریدنے اور لینے کے لیے ان کے پاس کوئی بجٹ نہیں، کسی دکان پر یا کہیں کوئی اخبار مل جائے تو پھر ی میں اس کی ورق گردانی کر لیتے ہیں اور بس، یا اگر پوسٹ مین نے کسی کی ڈاک یا کسی کا رسالہ کسی کو دیدیا کہ لو بھائی فلاں صاحب کو پہنچا دینا، تو بغیر اجازت کے اس کی ڈاک اور اس کے رسالے کو پڑھ لیتے ہیں، یہاں تک بھی کچھ ٹھیک ہے، مگر کرتے یہ ہیں کہ پھر اصل تک جس کا وہ ہے اس تک نہیں پہنچاتے، بعض مرتبہ تو اپنی غفلت کی وجہ سے بعض مرتبہ یاد نہ رہنے کی وجہ سے اور جب زیادہ دن ہو جاتے ہیں تو اس کے لحاظ اور ڈاٹ کی وجہ سے پھر اس کو خود ہی رکھ لیتے ہیں، اس لیے بھی بعض لوگ پھر خریدار بننا پسند نہیں کرتے، چونکہ ان کی ڈاک یا رسالہ اچک لیا جاتا ہے، ان تک نہیں پہنچتا، اس لیے جو خریدار بنتے ہیں اور جن کو براہ راست کوئی رسالہ مل جاتا ہے، وہ بھی خوش نصیب ہیں۔

اس طرح ایسے حالات میں اگر کوئی دینی رسالہ پابندی سے نکل رہا ہے، تو اس رسالے کی بھی بلند اقبالی اور اس کے اراکین کی بھی خوش نصیبی ہے، اس لیے نقوش اسلام کے اراکین سب سے پہلے تو بارگاہ رب العزت میں سجدۂ شکر ہ بجالاتے ہیں کہ محض اللہ سبحانہ تعالی کا فضل اور کرم ہے کہ نقوش اسلام پہلے ہی دن سے پوری پابندی کے ساتھ منظر عام پر آ رہا ہے، اور قارئین کی خدمت میں دینی، دعوتی، ادبی، اصلاحی، فکری، تعمیری اور معلوماتی مضامین پیش کر رہا ہے، جس سے قارئین اس کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں، اور ہندو پاک کے بعض مدیران اس کے

مضامین کو اپنے مؤقر رسائل میں جگہ دیتے ہیں اور بعض انگریزی جرائد میں بھی اس کے مضامین ترجمہ ہوکر شائع ہوتے ہیں، بعض احباب کا کہنا ہے کہ ماہنامہ نقوش اسلام اپنے بہت سے معاصر اور سینئر رسالوں میں اپنی الگ ساخت اور شناخت قائم کرچکا ہے۔

••••——————••••

بات دراصل یہ ہے کہ اس رسالہ کے متعلق ہم اپنے تئیں کتنی بھی کوشش کرلیں، اور اس کی نشر واشاعت میں کتنی ہی دل وجان سے محنت کرلیں، اور کتنا ہی اس پر اپنا اثاثہ خرچ کرلیں، اگر اس میں اللہ کے فضل کے ساتھ قارئین کو دلچسپی نہیں تو ہماری ساری کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوں گی؛ لیکن اگر قارئین اس کو دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور اس کے سلسلہ میں اچھی رائے رکھتے ہیں اور اپنے قیمتی تأثرات سے حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو پھر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک اچھی کوشش ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ کسی بھی ادارہ یا دینی جریدے کا نکلنا یا چلنا اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے کہ جب اس کے ساتھ معاونین کا خلوص اور ان کی جانی ومالی قربانی شامل ہو، اس لیے تمام قارئین سے مخلصانہ گزارش ہے کہ جس طرح گذشتہ چار سالوں سے اس کی ترقی اور کامیابی میں ہمارا ہر طرح کا ساتھ دیا ہے، اسی طرح مستقبل میں بھی ہمارا ساتھ دیں تاکہ اس رسالے کو دوام اور مقبولیت حاصل ہو، اور اس کا فائدہ قارئین کو برابر پہنچتا رہے۔

••••——————••••

اس پر ہم اللہ تعالی کا شکر ادا کرنے کے ساتھ اپنے تمام معاونین کا بھی شکر ادا کرتے ہیں، جو اس رسالہ کی ترقی، مقبولیت، مداومت اور استقامت سے خوش ہوتے ہیں، اور اس کا مادی تعاون بھی کرتے ہیں، روحانی تعاون بھی، قلمی تعاون بھی کرتے ہیں، اور ممبر سازی کا تعاون بھی، غرضیکہ جو جس لائن اور جس لحاظ سے مدد کرتا ہے ایسے تمام احباب کے ہم مشکور ہیں، اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس رسالہ کو اور اس کے اراکین کو عمر نوح بصحت وسلامتی عطا فرمائے۔

ماہنامہ نقوش اسلام کی چار سالہ قلمی خدمات
اور پانچویں سال میں اس کی جدوجہد کے آغاز کو
خراج عقیدت پیش کرتے ہیں
محمد عامر ندوی
رئیس قسم المشاریع
جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری الخیریہ (کویت)

ماہنامہ نقوش اسلام کی
چوتھی سال گرہ پر
ہم تمام کارکنان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں
ظہور الدین قاسمی
مہتمم جامعہ عربیہ اسلامیہ قاسم العلوم
وویکا نند پوری، سرائے روھیلہ دہلی نمبر ۷

مشعل راہ

ملفوظات حضرت مرشدالامت

ارشادات: مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ.........................ترتیب: مولانا سید رشید احمد حسنی ندوی

آخرت کا تصور اوراس پر ایمان:

آخرت کا تصور اوراس پر ایمان جز وایمان ہے کہ مرنے کے بعد نئی زندگی ملے گی، وہ خوشی کی ہوگی یا تکلیف کی، دنیا کے اعمال ہی سے جنت بنے گی اور جہنم بھی، اچھے اعمال میں تو نہریں، درخت، محل، حوریں، راحت وسکنیت سامنے آئے گی اور برے اعمال میں تو خون پیپ، سانپ بچھو اور آگ کی صورت سامنے ہوگی، اس کے لیے برائیوں سے بچنا نہایت ضروری ہے، عزیزو! صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ احکام نازل ہوتے تھے اور وہ اپنی عادتوں کو ایک دم چھوڑ دیتے تھے، شراب حرام کی گئی، سب نے اسی وقت شراب پھینک دی۔

تکبر وحسد کے سنگین نقصانات:

حضرت مرشدالامت نے فرمایا کہ یہودیوں کا انکار اور مخالفت ناواقفیت پرنہیں تھی بلکہ تکبر اورحسد کی وجہ سے یہ مخالفت تھی کہ دل نہیں قبول کررہا ہے عقل مان رہی ہے، علم تسلیم کررہا ہے لیکن دل ماننے کو تیارنہیں، یہ ساری کائنات اللہ کے قبضہ قدرت میں اوراس کے اختیار میں ہے، اگر اللہ کو برا لگ جائے اور وہ ناراض ہوتو پھر خیریت نہیں لیکن وہ پھر بھی کرم کرتا رہتا ہے۔

دل ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے:

حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پیارو! اس لیے دل کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے، اگر دل ٹھیک ہوجائے گا تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا، آج حال یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں ایمان ایسا نہیں ہے جیسا ہونا چاہئے، اسی لیے مشکلات اور طرح طرح کے مسائل کا ہمیں سامنا ہے، اللہ پاک وبرتر مہلت دیتا ہے کہ آدمی اپنا دل ٹھیک کرے اور سنبھل جائے، آخر تک جب وہ نہیں سنبھلتا تو اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجاتا ہے، دنیا بھی تباہ ہوتی ہے اور آخرت بھی تباہ ہوتی ہے ''خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق ہوجاتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

ایمان بالغیب ضروری ہے:

حضرت اقدس مرشدالامت نے ارشاد فرمایا کہ میرے پیارو! اللہ تعالی نعمتوں اور تکلیفوں دونوں میں امتحان لیتا ہے، دل کو اللہ پاک نے ایسا بنایا ہے کہ اسی سے بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے اوراسی سے دور ہوتا ہے، دیدار الٰہی تو آخرت میں ہوگا، دنیا میں بغیر دیکھے ہی ایمان لانا ہے، ایمان بالغیب پر ہی نوازشوں کا حق دار بننا ہوگا، نبی ورسول اللہ کے حکم سے غیب کی باتوں پر ایمان لانے کو کہتے ہیں اور نظروں سے مخفی چیزوں کی ترغیب وترہیب دیتے ہیں، اس کا ماننا تسلیم کرنا نبوت پر ایمان لانا ہوا۔

عقیدۂ توحید درست کرنا ضروری ہے:

حضرت مرشد الامت نے ارشاد فرمایا کہ عقیدۂ توحید کی بڑی اہمیت ہے، عقیدۂ توحید کتنے لوگوں میں صحیح ہے، عقیدۂ توحید صرف زبان سے کہنے کا نام نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہو کہ خدا ایک ہے، وہی لائق عبادت اور مالک ومختار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں اوراس بات کا یقین ہو کہ سب کچھ اللہ کررہا ہے، جو کچھ ہورہا ہے اس کے کرنے سے ہورہا ہے، اور جو کچھ ہوگا اس کے کرنے سے ہوگا، اس کی صفات میں کوئی شریک نہیں، لہٰذا ہمیں یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کرتا ہے، آدمی اگر چمچے سے کھانا کھائے

اور یہ سمجھے کہ یہ چمچہ کھلا رہا ہے، تو یہ اس کی حماقت ہے، ہمارا عقیدہ کمزور ہوگیا ہے، آج مسلمانوں پر مصیبتیں آرہی ہیں کہ وہ ایسے ہی اتفاقاً نہیں ہم نے سب کچھ اپنی کوششوں کو اور اپنے ذرائع اور وسائل کو سمجھ رکھا ہے، عقیدہ کی بڑی اہمیت ہے، عقیدہ تو دراصل اعمال میں داخل ہونے کا دروازہ ہے، جب عقیدہ ہی درست نہ ہو جو دروازہ ہے تو اعمال کیسے درست ہوں گے۔

ھمارا تصور یہ ھو کہ اللہ ھمیں دیکھ رھاھے:

حضرت مرشد الامت نے فرمایا کہ نماز اس دھیان سے پڑھنا ہے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ عربی زبان کے اعتبار سے احسان کہتے ہیں کسی کام کو اچھے طریقے اور حسن وخوبی کے ساتھ کیا جائے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب اس طرح دیا کہ:أن تعبداللّٰہ کأنك تراہ فإن لم تکن تراہ فـإنـه يراك'' تم اس طرح سے اللہ کی عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور ایسا نہ کرسکو تو یہ ہے ہی کہ اللہ پاک ہم کو دیکھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ جب آدمی کو یہ تصور ہوگا کہ ہم اللہ کے سامنے ہیں اور اسے دیکھ رہے ہیں تو پھر وہ اچھے طریقے سے نماز پڑھے گا اور اگر یہ تصور نہیں تو پھر یہ تصور ہونا چاہئے کہ اللہ تو ہمیں دیکھ ہی رہا ہے، اگر ہمارے سامنے کوئی شخص ہو اور وہ ہمیں اور ہماری حرکات وسکنات کو دیکھ رہا ہو تو پھر ہمارا دھیان ادھر ہی ہوگا، نماز دین کا بنیادی رکن ہے، یہاں تک کہ اس کو مومن اور کافر میں فرق کرنے والی چیز کہا گیا، اب کتنے لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہی نہیں اور پڑھتے ہیں تو ان میں کتنے ایسے ہیں جو دھیان سے نماز نہیں پڑھتے، یہ ہے ہماری حالت، میرے پیارو! ہمیں اس کی اصلاح کرنی ہے، اس کی اصلاح کے لیے آسمان سے فرشتے نہیں آئیں گے، اگر اکثریت خراب ہو اور اجتماعی طور پر بگاڑ ہو تو پھر مصیبت بھی اجتماعی ہوگی اور یہ مصیبتیں ڈاکٹروں اور حکیموں سے دور نہیں ہوں گی بلکہ ان اعمال سے دور ہوں گی جن سے اللہ پاک خوش ہوتا ہے، نفع اور نقصان کا مالک اللہ ہے۔

مصیبتوں کے آنے کی وجہ اللہ کی نافرمانی کا ھونا ھے:

حضرت مرشد الامت نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے پیارو! ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مصیبت فلاں وجہ سے آئی، نہیں اس کی اصل وجہ تو اللہ پاک کی نافرمانی ہے، یہ اللہ پاک کی طرف سے بداعمالیوں کی سزا ہے جو اللہ تعالی اس دنیا میں بھی دے دیتا ہے، ورنہ اکثر برے اعمال کی سزا اللہ تعالی آخرت کی طرف منتقل کردیتے ہیں اور سزاؤں کا آخرت کی طرف منتقل کردیا جانا بڑے خطرہ کی بات ہے، اس کے مقابلہ میں یہ آسان ہے کہ دنیا ہی میں سزا مل جائے، آخرت کی سزا بڑی دردناک ہوتی ہے، بہرحال اللہ تعالی کے عذاب سے بچنے کے لیے بڑی فکر کی ضرورت ہے، ہمارے نیک اعمال ہی ان مصیبتوں سے بچنے کا باعث بنیں گے، ہم پر جب مصیبت آتی ہے تو ہم اللہ پاک کو یاد کرتے ہیں، اور جیسے ہی مصیبت ختم ہوجاتی ہے تو اللہ پاک کو بھول جاتے ہیں، قارون کا یہ جملہ اللہ پاک کو پسند نہیں آیا تو اللہ نے اسے تباہ کردیا اور اس کے خزانے سمیت اسے دفن کردیا، آج بھی اس طرح کے حوادث پیش آتے ہیں، زلزلے آتے ہیں، اور اتنی بڑی تباہی مچتی ہے کہ ڈرنا چاہئے کہ کہیں قارون والی سزا تو نہیں، اللہ حفاظت فرمائے ہم سب کی، اللہ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمادے، اللہ ہم سب کو متقی وپرہیزگار بنادے۔ آمین

کونوا ربانیین:

حضرت مرشد الامت نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے پیارو! قرآن مجید اور حدیث شریف میں دینی رہنمائی کا سامان ہے، زندگی گزارنے کی باتیں اللہ پاک نے بتائی ہیں، ان کو جان کر انسان بنتا ہے، اللہ پاک نے آپ کو ہم کو انسان بنایا ہے، جانور نہیں بنایا ہے، جانور جہاں چاہتا ہے منہ مارتا ہے، لیکن انسان ایسا نہیں کرتا، انسان معقول اور مہذب طریقے سے سامان معیشت اختیار کرتا ہے، قرآن وحدیث سے ہمیں حلال وحرام کی باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایذاء رسانی

سے بچا جائے ، خیر خواہانہ وہمدردانہ طریقہ اختیار کیا جائے ، کھانے پینے ، رہن سہن میں اسراف سے بچا جائے ، محنت وکوشش کو جاری رکھنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ محنت جاری رکھو، اورعمل بھی کرو، تو ربانی عالم بن جاؤں گے، جس کا مطالبہ ہے، اللہ پاک نے ارشادفرمایا "کونوا ربانیین" اس لئے علم کو اس جذبہ سے سیکھنا ہے کہ صحیح طریقہ سے زندگی گزاری جاسکے، یا اللہ ہم سب کے گناہ معاف فرمادے۔

خوشخبری

مرکز کے روح رواں مولانا مفتی محمد مسعودعزیزی ندوی کی گذشتہ سال کے ہفتہ واری پروگراموں میں کی جانے والی ۲۸ رتقاریر کا مجموعہ تقریباً ۳۷۵ رصفحات پر مشتمل منظر عام پر آچکا ہے، جس میں کامیاب زندگی گزارنے کے زریں اصول اورانمول موتی، قیمتی جواہر پارے اور قارئین کے دلوں کو جھنجھوڑنے والے بیانات مدلل مفصل اورذیلی عناوین کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں ،زیادہ سے زیادہ حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں ،اس کتاب کی اصل قیمت ۱۰۰ ارروپئے ہے، مگر پیشگی رقم بھیجنے والوں کے لیے صرف ۶۰ ر روپئے میں بھیجی جائے گی ، ڈاک خرچ ناشر کے ذمہ ہوگا۔

خوشخبری

اسی طرح ایک دوسری کتاب "چندہ دینے ، دلوانے اور لینے کے آداب واصول" جو گذشتہ رمضان میں شائع ہوئی تھی ، اس کو اب انگریزی میں Ruls of Raising Funds کے نام سے شائع کیا گیا ہے، انگریزی زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بہترین چیز ہے ،جس میں چندہ دینے والے، دلوانے والے اور لینے والوں کے آداب واصول قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں مدلل انداز میں بیان کئے گئے ہیں، قیمت صرف ۱۰ ارروپیہ ہے۔

مولانا قاری مفتی محمد مسعودعزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰ ارروپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اورطریقہ تدریس اردو) ۱۰ ارروپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳ رروپئے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰ رروپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰ ارروپئے

۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات، عربی) ۵ رروپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰ رروپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰ رروپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰ رروپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰ رروپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰ رروپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸ رروپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸ رروپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸ رروپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰ رروپئے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷ رمضامین کا مجموعہ) ۳۰ رروپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰ ربزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰ رروپئے

۱۸- چندہ دینے ، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰ ارروپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

ایمان کی بادِ بہاری

''انیشا'' اسلام کی آغوش میں

مولانا محمد جعفر مسعود حسنی ندوی معاون مدیر پندرہ روزہ ''الرائد'' لکھنؤ

ایسے دور میں جب کہ اسلام پر الزام ہے دہشت گردی کا، قدامت پرستی اور انسانی حقوق کی پامالی کا، آزادی کے سلب کرنے، خواتین کے ساتھ ناروا سلوک کرنے، چہار دیواری میں ان کو مقید کرنے اور ترقی کے راستے ان کے لیے مسدود کرنے کا۔

ایسے دور میں جو دور ہے مغرب کے تسلط اور اس کے اقدار کا، اقتصادیات پر اس کے کنٹرول اور سیاست پر اس کی گرفت کا، سائنس میں اس کی ترقی اور ٹکنالوجی میں اس کے عروج کا۔

ایسے دور میں جس میں مشرق پر الزام ہے بدامنی اور انارکی کا، بے اعتمادی اور احساس کمتری کا، پست ہمتی اور کوتاہ اندیشی کا، تہذیب و تمدن میں مغرب کی نقالی اور اس کے آگے دست سوال دراز کرنے کا۔

ایسے دور میں جس میں اسلام پسند افراد کی زندگی کا اکثر حصہ جیلوں میں گذرتا ہے اور اسلامی نظام کی مخالفت کرنے والے ادباء و شعراء کو احترام کی نگاہ سے دیکھا اور کذب و افتراء پر مبنی ان کی تصانیف کو عالمی انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

ایسے دور میں جس میں اسلام کو دنیا کے ہر ملک میں خواہ وہاں مسلمان اکثریت میں یا اقلیت میں، ان کا تعلق حکمراں طبقہ سے ہو یا عوام سے، اسلام کو کچلنے، اس کی تصویر کو مسخ کرنے، اس کی نفرت لوگوں کے دلوں میں بٹھانے اور ترقی کی راہ میں اس کو سب سے بڑی رکاوٹ بنا کر پیش کرنے کی کوشش مسلسل جاری ہے۔

ایسی نازک صورتحال میں جو مسلمانوں کے لیے اتنی تاریک اور اسلام کی اشاعت کے لیے اتنی ناسازگار ہو، جس میں کوئی چیز ایسی نظر نہ آتی ہو جو کسی غیر مسلم کو اسلام کی طرف راغب کر سکے، اور اسلام کی عظمت و برتری کا احساس اس کے دل میں پیدا کر سکے، مغرب کے بعض ان ممالک میں جن کا شعار ہی اسلام دشمنی اور جن کا امتیاز ہی مسلم کشی اور جن کا سب سے بڑا کارنامہ ہی مسلمانوں کے اتحاد کی بیخ کنی ہے، سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کا اسلام کی طرف مائل ہونا، اسلامی کتابوں کا مطالعہ کرنا، اپنے تحریف شدہ مذہب کا اسلام کی روشن تعلیمات سے موازنہ کرنا اور اسلام کو سمجھنے اور اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کرنا، جہاں ایک طرف اسلام کا ایک معجزہ ہے وہیں مغرب کے کھوکھلے پن کا کھلا ثبوت بھی۔

اسلام کے معجز ہونے، اپنا راستہ خود بنانے اور بغیر کسی سہارے کے دل کی گہرائی میں اتر جانے کی اس کی صلاحیت پر یقین اس وقت اور بڑھ جاتا ہے جب اسلام کی طرف مائل ہونے والی تعداد میں بڑی تعداد ان تعلیم یافتہ خواتین کی نظر آتی ہے جن کے لیے اسلام کو لوہے کے ایک زنگ آلود پنجڑے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

آپ کو شاید یقین نہ آئے لیکن یہ سچ ہے کہ صرف امریکہ میں ۲۰۰۴ء تک اسلام قبول کرنے والی خواتین کی تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے، یہ تعداد اسلام قبول کرنے والے مردوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ ہے، مردوں کے مقابلہ میں اسلام قبول کرنے کا رجحان عورتوں میں کیوں زیادہ پایا جا رہا ہے، اس کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن بعض نو مسلم خواتین کے بیانات اور انٹرویوز سے ان کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی جو وجوہات سامنے آئی ہیں وہ کچھ اس

طرح کی ہیں:

۱- اسلام حضرت آدمؑ کی خطا کا ذمہ دار حضرت حوا (عورت) کو قرار نہیں دیتا، نہ اسلام کا یہ کہنا ہے کہ حضرت حوا (عورت) کے بہکانے پر حضرت آدمؑ (مرد) نے وہ ممنوعہ پھل کھایا، جب کہ عیسائیت اس سلسلہ میں حضرت حوا (عورت) کو مورد الزام ٹھہراتی ہے، اور عورت کے ساتھ یہ کھلی ناانصافی ہے، جو اس مذہب کی طرف سے کی جارہی ہے جس کی پیروکار سب سے زیادہ عورت.....عورت......کرتے ہیں، لیکن عورت کی اس توہین پر وہ بالکل خاموش رہتے ہیں۔

۲- اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ عورت کے ساتھ پورا انصاف کرتا ہے، وہ عورت پر صرف وہی ذمہ داریاں ڈالتا ہے جس کی وہ متحمل ہو سکتی ہے، اسلام عورت کی جسمانی اور عقلی صلاحیتوں کی پوری رعایت کرتا ہے اور اس کے طبعی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے صرف بچوں کی تربیت اور گھر کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اس پر عائد کرتا ہے، گھر کے باہر کی تمام ذمہ داریاں وہ مردوں پر ڈالتا ہے، جب کہ مغربی تہذیب گھر کے ساتھ باہر کا بوجھ بھی عورت پر لاد دیتی ہے لیکن فائدہ صرف مردوں کو پہنچاتی ہے۔

۳- اسلام نے جس طرح عورتوں کا خیال رکھا ہے اسی طرح اس نے بچوں کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے، اسلام بچوں پر اتنا مہربان نظر آتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے، ولادت سے لیکر بلوغت تک نہ تو بچہ کسی چیز کا مکلّف ہے، نہ اپنے کسی عمل پر سزاوار کیونکہ ابھی وہ جسمانی اور عقلی تبدیلیوں کے مرحلہ سے گزر رہا ہے، ابھی نہ اس کی عقل پختہ ہوئی ہے اور نہ جسم کمال کو پہنچا ہے، لیکن بالغ ہونے کے بعد اس پر تمام ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں اور اس کے محاسبہ کا دور شروع ہوجاتا ہے، عمر کا یہ لحاظ کسی اور مذہب میں نہیں ملتا۔

۴- اسلام کے چار ارکان ہیں گویا کلمہ کے بعد انہی چار پر اسلام کا دارومدار ہے، لیکن ان چار اہم ترین ارکان کو ادا کرنے میں بھی اسلام نے جس طرح حالات کے اعتبار سے رعایت رکھی ہے، اس کی مثال کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی، اسلام نے مقیم و مسافر میں فرق کر کے، بیمار اور صحت مند میں فرق کر کے، امیر و غریب میں فرق کر کے، اپنے پیروکاروں کی اتنی رعایت دی ہے جو کسی بھی مذہب نے نہیں دی حالات کے مطابق احکامات میں یہ تبدیلی صرف اور صرف اسلام ہی کا امتیاز ہے۔

۵- اسلام نے نقاب کے ذریعہ عورت کی حفاظت کا بھرپور انتظام کیا ہے، پردہ نہ صرف یہ کہ عورت کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ پردہ عورت کو محفوظ ہونے کا احساس بھی دلاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو پردہ کے خلاف تحریک چلانے والوں میں عورتوں کی تعداد کم ہی نظر آئے گی، مردوں کا عورتوں کو اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ چہرہ کھلا رکھیں اس بات کا ثبوت ہے کہ مرد ابھی تک عورتوں کو اپنا غلام سمجھتا ہے، ورنہ مردوں کو مسئلہ سے کیا لینا دینا، یہ مسئلہ عورتوں کا ہے مردوں کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ قانون بنا کر عورتوں کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے پر مجبور کریں، کیا مرد اپنے اس اصرار کی وجہ بتا سکتے ہیں؟ اگر مسلمان مرد عورت کو پردے کی تلقین کرتا ہے تو اس کی رائے مذہبی ہے اور عورت کی حفاظت کے پیش نظر ہے، لیکن پردے کی مخالفت کرنے والے آج تک پردے کی مخالفت کی کوئی معقول وجہ نہیں بتا سکے!

اسلام قبول کرنے کے واقعات جو یورپ میں کثرت سے پیش آرہے ہیں، آیئے خود ان ہی نومسلموں کی زبانی سنئے اور اس طرح اس مایوسی کو جو عالم اسلام کے حالات دیکھ کر آپ کے دلوں پر چھائی ہوئی ہے دور کرنے کی کوشش کیجئے:

برطانیہ سے شائع ہونے والا ایک کثیر الاشاعت اخبار "The Times" نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اب اسلام برطانوی خواتین کا پسندیدہ مذہب بنتا جارہا ہے، اور وجہ اس کی یہ بتائی ہے کہ اسلام میں خواتین کے حقوق کی جو رعایت رکھی گئی ہے اور اسلام کی بدولت معاشرہ میں ان کو جو مقام اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے مذہب کو اختیار کر کے حاصل نہیں ہو پاتا۔

اخبار لکھتا ہے کہ برطانوی خواتین کے اسلام کو بحیثیت مذہب کے پسند کرنے کی وجہ یہ نہیں قرار دی جاسکتی کہ ان میں سے بعض کی شادیاں افریقہ اور ایشیاء سے آئے ہوئے بعض مسلم خاندانوں کے افراد سے انجام پائیں، جیسا کہ ماضی میں اس کی مثالیں ملتی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اپنی تعلیمات، عورتوں کے حقوق کی رعایت اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کی پوری صلاحیت رکھنے کی وجہ سے برطانوی خواتین میں تیزی کی ساتھ مقبول ہو رہا ہے۔

ان کا خیال ہے کہ ماضی میں مسلم ممالک میں عورتوں پر ہونے والے ظلم وستم کے جو واقعات اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں، اس کے باوجود برطانوی عورتوں کا اسلام کی طرف میلان صرف اسی بنیاد پر ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم میں خواتین سے متعلق جو اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں وہ دوسرے مذاہب کے پیش کردہ اصولوں اور ہدایات سے بالکل مختلف ہیں، قرآن کریم نے عورتوں کو جو حقوق دئے ہیں وہ مردوں سے کسی بھی صورت میں کم نہیں۔

آگے چل کر یہ اخبار لکھتا ہے کہ اسلام میں عورت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے اہم مشیروں میں سے تھیں اور آپ نے بعض نازک ترین موقعوں پر انہی کی رائے پر عمل کرکے یہ ثابت کیا کہ اسلام میں عورت کا مرتبہ کسی بھی طرح مرد سے کم نہیں ہے۔

اخبار کا کہنا ہے کہ برطانیہ میں اسلام کا وجود، اس کا پھلنا پھولنا اور تعلیم یافتہ حضرات کا بڑی تعداد میں اس کو قبول کرنا، برطانیہ میں اسلام اور عیسائیت کے درمیان غلط فہمیاں دور کرنے، ایک دوسرے کو سمجھنے اور ان کے پیروکاروں کے درمیان ایک خوش گوار ماحول قائم کرنے میں مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

برطانیہ ہی سے شائع ہونے والے دوسرے اخبار "Sunday Telegraph" نے بھی برطانیہ میں اسلام قبول کرنے کے بڑھتے ہوئے رجحان پر اظہار خیال کیا ہے، اس اخبار نے ''ایٹون کالج کے طلبہ پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے اثرات'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا ہے، جس میں اس کالج کے دو طالب علموں تائیٹو یلکنسون (۲۴ سال) اور نیکولاس برندت (۲۳ سال) کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اس مضمون میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ دونوں کس طرح نماز پڑھتے ہیں، کیسے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور پیغمبر اسلام کا نام آنے پر کس طرح محبت و عقیدت سے صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

فرانس ہی کی ایک نومسلمہ خاتون ''انیشا'' نے جو ''نیس'' شہر میں ایک گارمنٹ فیکٹری میں ملازمت کرتی ہیں، مشہور عربی اخبار ''المسلمون'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جب سے فرانس میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھنا شروع ہوئی، اس وقت سے کارخانوں کے مالکان اور سرکاری دفاتر کے افسران نے نومسلموں کے لیے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کردی ہیں، وہ ان کو ملازمت نہیں دیتے، اگر کسی کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اسلام لا چکا ہے تو اس کو ملازمت سے برطرف کردیتے ہیں اور اگر ملازمت دیتے بھی ہیں تو اس کی اہلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے بہت معمولی درجہ کی دیتے ہیں، ایسی صورت حال میں فرانس میں اسلام کا پھیلنا اور مقبول ہونا کسی معجزہ سے کم نہیں۔

''انیشا'' نے اپنے بارے میں کہا کہ اگر وہ اسلام لانے کا اعلان کردیں اور شرعی لباس پہننے لگے تو ایک دن بھی اپنی ملازمت پر برقرار نہیں رہ سکتیں، انہوں نے کہا کہ ان کے فیکٹری کے مالک اپنے ملازمین کو پہلے ہی یہ دھمکی دے چکے کہ اسلام لانے کی صورت میں ان کو ملازمت سے برطرف کردیا جائے گا۔

''انیشا'' نے اسلام کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس میں دل ودماغ دونوں کی پوری رعایت ہے، ورنہ اسلام کے علاوہ جتنے مذاہب یا نظریات دنیا میں پائے جاتے ہیں وہ

ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی نہ کسی پہلو کو ضرور نظرانداز کر دیتے ہیں۔

فرانس ہی کی ایک اور نومسلمہ خاتون نے جن کا نام اب مریم ہے، اپنے افریقی نژاد بھائی کو جو ایک افریقی ملک ''کانگو'' میں نہ صرف یہ کہ رکن پارلیمنٹ ہیں بلکہ وہاں صدر کے مشیر بھی ہیں، اسلام کی طرف مائل کر لینے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔

مریم کے والد نے جن کا سابق نام ''کرنل انبل زلہ'' تھا، جنہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام ''عبدالقادر زلہ'' رکھا ہے، اپنے اسلام لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں یہ صحیح ہے کہ میں نے اسلام لانے کا اعلان اب کیا اور مریم کے کہنے پر کیا، لیکن اسلام کی عقیدت میرے دل میں اس وقت سے تھی جب میں طالب علم تھا، اور سخت قسم کا کیتھولک عیسائی تھا، اور اس کی دعوت وتبلیغ کو میں نے اپنی زندگی کا مشن بنا رکھا تھا۔

آگے وہ کہتے ہیں کہ جب ''کونگو'' میں انقلاب ہوا اور اس انقلاب کے نتیجہ میں زمام اقتدار کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں آیا تو اس وقت سے مذہب کے خلاف محاذ آرائی کا سلسلہ شروع ہوا، مذہب کے خلاف کمیونسٹوں کی طرف سے کئے گئے اقدامات نے میرے اندر مزید مذہبی جوش وولولہ پیدا کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد کمیونسٹوں کا زوال ہوا، اور ان کی جگہ جمہوریت نواز پارٹی نے حکومت کی باگڈور سنبھالی، اس دوران میری بیٹی کی طرف سے جو فرانس میں مقیم تھی ایک خط آیا جس میں اس نے یہ اطلاع دی کہ اس نے فرانس میں اسلام قبول کر لیا ہے، اور ایک نومسلم نوجوان سے شادی کر کے اپنا گھر بھی آباد کر لیا ہے، اور اب وہ وہاں مریم کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، مریم کے اس خط کا کوئی خاص اثر میرے اوپر نہیں پڑا، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس وقعہ نے عیسائیت کے بارے میں میرے پرانے شکوک وشبہات کو جو کہ دبے ہوئے تھے پھر سے ابھار دیا اور یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ میں نے مجبور ہو کر نئے سرے سے انجیل کا مطالعہ کیا، اور فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ سے اس کا موازنہ کیا، الحمدللہ ابھی میں اس ترجمہ کو مکمل بھی نہیں کر پایا تھا کہ میرا دل بول اٹھا، کہ یہی دین برحق ہے، چنانچہ میں اس وقت کونگو میں قائم رابطہ عالم اسلامی کے دفتر گیا اور کلمہ پڑھ کر اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

اٹلی جہاں کے باشندے اپنی قساوت وسنگدلی، سفاکی ودرندگی، ظالمانہ ووحشیانہ طبیعت کی وجہ سے مشہور ہیں، جہاں دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے، ایذارسانی کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جاتے ہیں اور عالم اسلام میں انارکی پھیلانے اور بدامنی پیدا کرنے کے لیے جہاں کی خفیہ ایجنسیوں سے مدد لی جاتی ہے، وہاں بھی اب اسلام کے اثرات کھول کر ظاہر ہونے لگے ہیں اور حکومت کی سختی اور معاندانہ روش کے باوجود وہاں کے عوام کھل کر اسلام اور اس کی تعلیمات سے اپنی وابستگی کا اظہار کرنے لگے ہیں، حال میں وہاں اسلام قبول کرنے والوں میں نام لیا جا سکتا ہے، چھتیس سالہ ''نارمس فورڈ'' کا ''فورمس فورڈ'' فوٹوگرانی سے منسلک ہیں، اسپورٹس سے تعلق رکھتے ہیں اور عالمی مقابلوں میں اٹلی کی قومی ٹیم کے ساتھ ایک فوٹوگرافر کی حیثیت سے اسٹیڈیم میں نظر آتے ہیں، ان کے ایمان لانے کا واقعہ خود ان کی ہی زبانی سنیں، کہتے ہیں کہ:

''مجھے ہمیشہ اپنے اندر ایک کمی کا احساس رہتا تھا، زندگی بے کیف معلوم ہوتی تھی اور سب کچھ رکھتے ہوئے بھی ہر صبح شام ہی کی طرح تاریک نظر آتی تھی، ایسا لگتا تھا کہ جس راستہ پر میں اپنی زندگی کا سفر طے کر رہا ہوں، وہ راستہ بند ہے اور اس راستہ کو کھولنے کے لیے مجھے کوئی طریقہ معلوم نہیں، میں نے اپنی زندگی کی اس بے اطمینانی کو دور کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن مجھے کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ملی، میں نے اس کے لیے تمام مذاہب کا مطالعہ کیا، مختلف فلسفوں اور نظریات کا جائزہ لیا کہ شاید کوئی مذہب، کوئی نظریہ اور کوئی فلسفہ میری زندگی کے اس خلا کو پر کر سکے، اور اس بند راستہ کو کھول کر میرے لیے آگے جانے کی راہ ہموار کر سکے، چنانچہ میں نے پورے دس سال عیسائیت، یہودیت، بدھ مذہب اور ہندو مذہب اور اسلام کا مطالعہ کیا

﴿بقیہ اگلے صفحہ ۱۷ پر﴾

سیرت عائشہ

عورتوں کا کردار "سیرت عائشہ کی روشنی میں"

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

"سیرت عائشہ" سیرت نگار نبویؐ، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کے قلم اثر رقم سے نکلی ہوئی اردو زبان میں پہلی مکمل و مدلل، علمی اور تحقیقی کتاب ہے، جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ کے مختلف کردار، ان کی زندگی کے مختلف اور متنوع مراحل بڑی خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں، جیسا کہ علامہ موصوف کا امتیاز ہے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سیرت وکردار آج کل کی مسلم خواتین کے لیے خاص طور سے لائق تقلید بلکہ واجب الاتباع نمونہ ہے، اگر موجودہ پرفتن و پرآشوب زمانہ اور بگڑتے ہوئے ماحول اور فساد زدہ سماج کی عورتیں اپنے آپ کو اسی سیرت وکردار کے سانچے میں ڈھال لیں تو ہمارا معاشرہ اور سماج کیا بلکہ پوری دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔

آج مسلمانوں کے اس دور انحطاط میں ان کے انحطاط کا آدھا سبب "عورت" ہے، وہم پرستی، جاہلانہ مراسم، خوشی وغمی کے موقعوں پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار صرف اس لیے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج بیویوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی روح مردہ ہوگئی ہے، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے مسلمان عورت کی زندگی کا کوئی مکمل نمونہ نہیں، لہٰذا اس مقالہ کے ذریعہ ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس کی زندگی شمع ہدایت ہے، ایک مسلمان عورت کے لیے "سیرت عائشہ" میں اس کی زندگی کے تمام تغیرات، انقلابات اور مصائب، شادی، رخصتی، سسرال، شوہر، سوکن، لاولدی، بیوگی، غربت، خانہ داری، رشک وحسد، غرضیکہ اس کے ہر موقع اور ہر حالت کے لیے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں، پھر علمی، عملی، اخلاقی ہر قسم کے گوہر گرانمایہ سے یہ پاک زندگی مالا مال ہے، اس لیے سیرت عائشہ اس کے لیے ایک آئینہ خانہ ہے، جس میں صاف طور سے یہ نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت مبارکہ نہ صرف اس لیے قابل مطالعہ ہے کہ وہ اس حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے، بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ یہ دنیا کے "بزرگ ترین انسان" کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے، جو "مرآۃ کاملہ" کامل عورت کا بہترین مرقع ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

مختصر سوانحی خاکہ:

عائشہؓ نام، صدیقہ لقب، ام المومنین خطاب، ام عبداللہ کنیت اور حمیرہ لقب ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنت الصدیق سے بھی خطاب فرمایا ہے، چونکہ آپ لاولد تھیں اس لیے حضور کے ایماء پر اپنے بھانجہ عبداللہ بن زبیر کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ اختیار کی، ان کے والد کا نام عبداللہ تھا، ابوبکر کنیت اور صدیق لقب تھا، اور ماں کا نام ام رومان تھا، جن کا پہلا نکاح عبداللہ ازدی سے ہوا تھا، ان کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر کے عقد میں آئیں اور ان سے حضرت ابوبکر کی دو اولادیں، عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ ہوئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ کا نسب

ساتویں آٹھویں پشت پر جا کر ملتا ہے اور ماں کی جانب سے گیارہویں بارہویں پشت میں کنانہ پر جا کر ملتا ہے۔

حضرت عائشہ کی ولادت کی تاریخ سے تاریخ وسیر کی عام کتابیں خاموش ہیں، لیکن تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت کی صحیح تاریخ نبوت کے پانچویں سال کا آخری حصہ یعنی شوال سن ۹ رہجری مطابق جولائی ۶۱۴ء ہوگا۔

بچپن:

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنے حرکات وسکنات اور نشو نما میں ممتاز ہوتے ہیں، ان کے ایک ایک خدوخال میں کشش ہوتی ہے، ان کے ناصیۂ اقبال سے مستقبل کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت عائشہ بھی اسی قسم کے لوگوں میں تھیں، بچپن ہی میں ان کے ہر انداز سے سعادت اور بلندی کے آثار نمایاں تھے، تاہم بچہ بچہ ہے، وہ صرف کھیلتا ہے اور کھیلنا ہی اس کی عمر کا تقاضہ ہے، حضرت عائشہ بھی لڑکپن میں کھیل کود کی بہت شوقین تھیں، محلّہ کی لڑکیاں ان کے پاس جمع رہتیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ کھیلا کرتیں، لیکن اس لڑکپن اور کھیل کود میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ہر وقت ملحوظ رہتا۔

شادی:

حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ ''حضرت عائشہ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کے انّا (دائی) آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر نے آکر نکاح پڑھا دیا''۔

مسلمان عورت کی شادی صرف اسی قدر اہتمام چاہتی ہے، لیکن آج ایک مسلمان لڑکی کی شادی، مسرفانہ مصارف اور مشرکانہ مراسم کا مجموعہ ہے، لیکن کیا خود سرور کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مقدس تقریب اس کی عملی تکذیب نہیں؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی کہ میرا نکاح ہوگیا، جب میری والدہ نے باہر نکلنے سے روک ٹوک شروع کی تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہوگیا، اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔

ہجرت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد تقریباً تین برس تک میکہ میں رہیں، دو برس تین مہینہ مکہ میں اور سات آٹھ مہینے ہجرت کے بعد مدینہ میں، ہجرت کے بعد رخصتی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مہر ادا کرنے کے لیے روپیہ نہ تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیشکش پر ان سے قرض لیا اور حضرت عائشہ کو بھجوایا، اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہئے جو مہر کی ادائیگی سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتے ہیں، مہر عورت کا حق ہے جو اس کو ملنا چاہئے۔

تعلیم وتربیت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم وتربیت کا اصل زمانہ رخصتی کے بعد سے شروع ہوتا ہے، انہوں نے اسی زمانہ میں پڑھنا سیکھا، قرآن دیکھ کر پڑھتی تھیں، ایک روایت میں ہے کہ لکھنا نہیں جانتی تھیں، بہر حال نوشت وخواند تو انسان کی ظاہری تعلیم ہے، حقیقی تعلیم وتربیت کا معیار اس سے بدرجہا بلند ہے، انسانیت کی تکمیل اخلاق کا تزکیہ، ضروریات دین سے واقفیت، اسرار شریعت کی آگاہی، کلام الٰہی کی معرفت، احکام نبوی کا علم بھی اعلیٰ تعلیم ہے، اور حضرت عائشہ اس تعلیم سے کامل طور پر بہرہ اندوز تھیں، علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا، تاریخ وادب کی تعلیم تو خود اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کی تھی، طب کا فن ان وفود عرب سے سیکھا تھا جو گاہ گاہ اطراف عرب سے بارگاہ نبوت میں آیا کرتے تھے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمر کے آخیر دنوں میں اکثر بیمار رہتے، اطباء جو دوائیں بتایا کرتے حضرت عائشہ ان کو یاد کر لیتی تھیں۔

امور خانہ داری:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس گھر میں رخصت ہو کر

آئیں تھیں وہ کوئی بلند اور عالیشان عمارت نہ تھی، بنی نجار کے محلّہ میں مسجد نبوی کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے، انہیں میں ایک حجرہ حضرت عائشہؓ کا مسکن تھا، یہ حجرہ مشرقی جانب واقع تھا، اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رخ اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجد نبوی اس کا صحن بن گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے، جب مسجد میں معتکف ہوتے تو سر مبارک حجرے کے اندر کر دیتے اور حضرت عائشہؓ بالوں میں کنگھا کر دیتیں، کبھی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حجرہ کے اندر ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مانگ لیتے، اس عقل وشعور کے باوجود کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے بری نہ تھیں، گھر میں آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں، بکری آتی اور کھا جاتی، دوسری بیویوں کے مقابلہ میں کھانا بھی اچھا نہیں پکاتی تھیں۔

معاشرت ازدواجی :

عورت کے متعلق مشرق ومغرب کا مذاق باہم نہایت مختلف ہے، مشرق میں عورت کی محبت دامن تقدس کا داغ ہے، وہ فقط ایوان عیش کی شمع دلفروز ہے، جس کی روشنی عزلت نشیں کے تنگ حجروں کو اور بھی تاریک کر دیتی ہے۔

دوسری جانب محبت کیش مغرب اس کو خدا سمجھتا ہے، یا خدا کے برابر جانتا ہے، اور کہتا ہے کہ ’’جو عورت کی مرضی وہ خدا کی مرضی‘‘۔

یورپ کے نزدیک کسی مذہب کے معقول ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے عورت کا کیا درجہ قائم کیا ہے۔

اسلام کا صراط مستقیم افراط وتفریط کے وسط سے نکلا ہے، وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے نہ زندگی کی راہ میں کانٹا سمجھتا ہے، اس نے عورت کی بہترین تعریف کی ہے کہ وہ مرد کے لیے اس کشمکش گاہ عالم میں تسکین وتسلی کی روح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی انسانی معاشرت کے لیے نمونہ تھی، اس بنا پر صرف اس تعلیم کے لیے کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہئے آپ کبھی کبھی انکے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ آتے تھے۔

بیوی سے محبت :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور یہ تمام صحابہ کو معلوم تھا، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آپ نے حضرت عائشہ کے زانوں پر سر رکھے ہوئے وفات پائی، اس محبت کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ فہم مسائل، اجتہاد فکر اور حفظ احکام میں تمام ازدواج سے ممتاز تھیں۔

شوہر سے محبت :

حضرت عائشہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ شغف اور عشق تھا، اس محبت کا کوئی اور دعوی کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا، کبھی راتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوتیں اور آپ کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں۔

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ:

سوتیلی اولاد کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کے متعلق یہ واقعہ ملاحظہ ہو: حضرت عائشہ کی رخصتی کے وقت حضرت فاطمہ گو کنواری تھیں، لیکن ان سے سن میں پانچ چھ برس بڑی تھیں، غالبًا ایک سال یا اس سے بھی کچھ کم دونوں ماں بیٹی ایک ساتھ رہی ہوں گی، سن ۲ر ہجری کے بیچ میں وہ حضرت علی مرتضی سے بیاہ دی گئیں، شادی کے لیے جن ماؤں نے سامان درست کیا تھا ان میں حضرت عائشہ بھی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انہوں نے خاص طور سے اس کا اہتمام کیا، مکان لیپا، بستر لگایا، اپنے ہاتھ سے کھجور کی چھال دھن کر تکئے بنائے، چھوہارے اور منقے دعوت میں پیش کئے، شادی کے بعد حضرت فاطمہ جس گھر میں گئیں اس میں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں صرف ایک دیوار کا فصل تھا، بیچ میں دریچہ تھا جس سے کبھی کبھی باہم گفتگو ہوتی۔

دعوت اصلاح :

عہد نبوی میں ایک صحابی نے اپنی لڑکی کا نکاح اس سے پوچھے بغیر کسی سے کر دیا، لڑکی نے بارگاہ نبوی میں استغاثہ کیا، آپ نے باپ کو

بلا کر کہا کہ نکاح فسخ کرادیا جائے، لڑکی نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اب اس نکاح کو قبول کرلیتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ہماری بہنوں کے ذاتی حقوق کی توضیح ہوجائے، اگرام المومنین عائشہ سیاست گاہ عالم میں آئیں تو وہ اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمان عورت کے حقوق کا دائرہ اتنا تنگ نہیں ہے جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

اخلاق وعادات:

ام المومنین حضرت عائشہ نے بچپن سے جوانی تک کا زمانہ اس ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بسر کیا ہے جو دنیا میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے آئی تھی اور جس کے روئے جمال کا غازہ "إنك لعلى خلق عظيم" ہے، اس تربیت گاہ روحانی یعنی کاشانۂ نبوت نے پردگیان حرم کو حسن اخلاق کے اس رتبہ تک پہنچادیا تھا جو انسانیت کی روحانی ترقی کی آخری منزل ہے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ کا اخلاقی مرتبہ نہایت بلند تھا، وہ نہایت سنجیدہ، فیاض، قانع، عبادت گزار اور رحم دل تھیں، عورت اور قناعت پسندی دو متضاد مفہوم ہیں، لیکن حضرت عائشہ کی ذات میں وہ دونوں مجتمع ہیں۔

ہم جنسوں کی امداد:

خدا نے ان کو شانۂ نبوت کی ملکہ بنایا تھا، اس فرض کو وہ نہایت خوبی سے انجام دیتی تھیں، عورتیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ضرورت لے کر آتیں اکثر ان کی اعانت اور سفارش آپ کے حضور میں کیا کرتی تھیں۔

شوہر کی اطاعت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور آپ کی مسرت ورضا کے حصول میں شب وروز کوشاں رہتیں، اگر ذرا بھی آپ کے چہرے پر حزن وملال یا کبیدہ خاطری کا اثر نظر آتا تو بیقرار ہوجاتیں۔

غیبت اور بدگوئی سے احتراز:

وہ کبھی کسی کی برائی نہیں کرتی تھیں، سوکنوں کو برا کہنا عورتوں کی خصوصیت ہے مگر وہ بڑی خندہ روئی اور کشادہ پیشانی سے اپنی سوکنوں کی خوبیوں کو بیان اور ان کے فضائل ومناقب کا ذکر کرتی تھیں۔

احسان لینے اور خود ستائی سے اجتناب:

کسی کا احسان کم قبول کرتی تھیں، اور کرلیتی تھیں تو اس کا معاوضہ ضرور ادا کردیتی تھیں، اپنے منہ سے اپنی تعریف پسند نہیں کرتی تھیں۔

خودداری:

اس عجز وخاکساری کے باوجود وہ خوددار بھی تھیں، کبھی کبھی یہ خودداری دوسروں کے مقابلہ میں تنگ مزاجی کی حد تک پہنچ جاتی اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں وہ ناز محبوبانہ بن جاتی۔

دلیری وشجاعت:

نہایت شجاع اور پردل تھیں، راتوں کو تنہا اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں، میدان جنگ میں آکر کھڑی ہوجاتی تھیں، غزوہ احد میں جب مسلمانوں میں اضطراب برپا تھا، اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

فیاضی وسخاوت:

حضرت عائشہ کے اخلاق کا سب سے ممتاز جوہر ان کی طبعی فیاضی اور کشادہ دستی تھی، دونوں بہنیں حضرت عائشہ اور حضرت اسماء نہایت کریم النفس اور فیاض تھیں، خیرات میں تھوڑے بہت کا لحاظ نہ کرتیں، جو موجود ہوتا سائل کی نذر کردیتیں۔

حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہ نے ان کے سامنے پوری ستر ہزار کی رقم خدا کی راہ میں دیدی، اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔

عبادت الٰہی:

عبادت الٰہی میں اکثر مصروف رہتیں، چاشت کی نماز پڑھا کرتی تھیں، اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں اور مجھ کو منع کریں تو میں باز نہ آؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد ادا کرتی تھیں، اکثر روزے رکھا کرتی تھیں اور بعض

روایتوں میں ہے کہ ہمیشہ روزے سے رہتی تھیں، حج کی شدت سے پابند تھیں، کوئی سال ایسا بہت کم گزرتا تھا جس میں وہ حج نہ کرتی ہوں۔

خشیت الٰھی اور رقت قلبی:

منہیات کی چھوٹی چھوٹی باتوں تک سے بھی پرہیز کرتی تھیں، راستہ میں اگر کبھی ہوتیں اور گھنٹے کی آواز آتی تو ٹھہر جاتیں کہ کان میں اس کی آواز نہ آئے، ان کے ایک گھر میں کچھ کرایہ دار تھے، یہ شطرنج کھیلا کرتے تھے، ان کو کہلا بھیجا کہ اگر اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو گھر سے نکلوا دوں گی۔

غلاموں پر شفقت:

صرف ایک قسم کے کفارہ میں ایک دفعہ انہوں نے چالیس غلام آزاد کئے، آپ کے کل آزاد کئے ہوئے غلاموں کی تعداد ۶۷ تھیں۔

اھل حاجت کی اعانت:

فقراء اور اہل حاجت کی اعانت ان کے حسب حیثیت کرنا چاہئے اگر کسی نیچے طبقہ کا آدمی تمہارے پاس آتا ہے تو صرف اس کی حاجت براری ہی اس کے درد کی دوا ہے، لیکن اگر اس سے بلند درجہ کا آدمی ہے تو اس کے ساتھ کسی قدر عزت و تعظیم کا بھی مستحق ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس نکتہ کو ہمیشہ مدنظر رکھتیں تھیں۔

پردہ:

پردہ کا بہت خیال رکھتی تھیں، آیت حجاب کے بعد تو یہ تاکید فرض ہو گیا تھا۔

سوکنوں کے ساتھ برتاؤ:

عورت کے لیے دنیا کی سب سے تلخ چیز ایک سوکن کا وجود ہے، حضرت عائشہ کی ایک سے لے کر آٹھ آٹھ سوکنوں تک ایک ساتھ رہی ہیں، تاہم شرف صحبت کے پرتو سے یہ آئینے ہر قسم کے رنگ وغبار سے پاک تھے۔

روایت حدیث میں ان کا درجہ:

کثرت روایت میں حضرت عائشہ کا چوتھا نمبر ہے؛ لیکن محض روایت کی کثرت ان کی فضیلت اور مزیت کا باعث نہیں ہے، اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے، قلیل الروایۃ بزرگوں میں بڑے بڑے فقہائے صحابہ داخل ہیں، لیکن عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی باتیں روایت کر دیا کرتے ہیں، فہم روایت سے عاری ہوتے ہیں، روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ اور قوت استنباط کے علاوہ حضرت عائشہ کی روایتوں کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ جن احکام اور واقعات کو نقل کرتی ہیں اکثر ان کے علل واسباب بھی بیان کرتی ہیں، وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی ہوتا ہے ان کی تشریح کرتی ہیں۔

افتاء:

حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہی اپنے پدر بزرگوار کی زندگی ہی میں مرجعیت عام اور منصب افتاء حاصل کر لیا تھا، ان کے فتاویٰ اس کثرت سے احادیث میں مذکور ہیں کہ اگر ایک جگہ جمع کئے جائیں تو ایک مستقل دفتر تیار ہو جائے۔

جنس نسواں پر احسانات:

حضرت عائشہ کے احسانات جنس نسواں پر بیشمار ہیں اور سب سے بڑا یہ احسان ہے کہ انہوں نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر بھی علمی، مذہبی اجتماعی اور سیاسی اور پند وموعظت اور اصلاح وارشاد اور امت کی بھلائی کے کام بجالاسکتی ہے، غرض اسلام نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور ان کی گذشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے ام المومنین کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے۔

صحابہ میں اگر ایسے لوگ گذرے ہیں جو سچے اسلام کے خطاب کے مستحق اور عہد محمدی میں ہارون بننے کے سزاوار تھے تو الحمدللہ صحابیات میں بھی ایک ایسی ذات تھی جو مریم اسلام کی حیثیت رکھتی تھی۔

وفات:

امیر معاویہ کی خلافت کا آخری حصہ حضرت عائشہ کی زندگی کا آخیر زمانہ ہے، اس وقت ان کی عمر ۶۷ر سال کی تھی، ۵۸ر ہجری میں رمضان کے زمانہ میں بیمار پڑیں اور چند روز تک علیل رہیں، ۱۷ر

رمضان کو نماز وتر کے بعد شب میں وفات پائی۔

آخری بات:

یہ حضرت عائشہ کی سیرت اور زندگی کے چند کرداروں کی مختصر جھلکیاں ہیں جن کی روشنی میں مسلمان خواتین تعمیر حیات اور تعمیر سیرت وکردار کے نمونہ کی زندگی خود بھی گزار سکتی ہیں، اور دوسروں کے لیے بھی ایک مثالی، بہتر اور عمدہ نمونہ پیش کر سکتی ہیں۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہماری خواتین کو ام المومنین حضرت عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات اور بنات طاہرات، نیز صحابیات کے اسوۂ اور سیرت وکردار کو اپنانے کی بھرپور توفیق دے اور ان کے وجود کو دنیا، سماج وخاندان اور بستی کے لیے باعث اور لائق تقلید بنادے۔

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ پچھلے صفحہ ۱۱ر کا﴾ خاص طور پر انجیل، توریت، گوتم بدھ کی تعلیمات اور قرآن کریم کی ہدایات کو سمجھنے کی کوشش کی آخر کار ۳رمئی کو قرآن کریم کے مطالعہ کے دوران یکا یک مجھے اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس ہوئی، اور دیکھتے دیکھتے دل کی بے کلی اور بے اطمینانی دور ہوگئی اور وہ زندگی جو کل تک کاٹے کھا رہی تھی میرے لیے باغ وبہار بن گئی اور وہ راستہ جو برسوں سے بند نظر آرہا تھا اچانک کھل گیا، اب میرے لیے کوئی گنجائش نہ تھی کہ میں اس قرآن کریم پر ایمان نہ لاؤں جو میرے لیے راہ نجات ثابت ہوا، چنانچہ میں نے اس وقت کلمہ پڑھا، اور اپنے اسلام لانے کا اعلان کردیا''۔

فلپائن کے رہنے والی اور سعودی عرب کے ایک بڑے تجارتی شہر جدہ کے ہسپتال میں نرس کی حیثیت سے کام کرنے والی کرسٹی سمبونڈی نامی عورت کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی انہی کی زبانی سنیے، وہ کہتی ہیں میرے دل میں نور ہدایت جلوہ گر ہونے کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے کچھ ہی عرصہ ہوا، میں ڈاکٹر داغستان ہسپتال میں نرس کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے آئی تھی، اس وقت کرسٹی میرا نام اور مسیحیت میرا مذہب تھا، میرا زیادہ وقت اپنی ہم پیشہ مسلمان نرسوں کے ساتھ گذرتا تھا، اور میں ان کو اپنے دین پر پوری طرح کاربند، معاملات میں صاف اور شرافت اور نیکی میں بے مثال پاتی تھی، ان کی یہ خصوصیات دیکھ کر میرے دل میں اسلام کا احترام بڑھتا گیا، جس نے مجھے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ اور دوسری بعض اسلامی کتابوں کے مطالعہ پر آمادہ کیا، اسلام کی عملی شکل دیکھ ہی چکی تھی، اسلام کی تعلیمات کا براہ راست مطالعہ کرنے کے بعد میرا یہ یقین بڑھ گیا کہ انسانیت کی فلاح وبہبود اور عورتوں کی عزت وآبرو کی حفاظت اور انسان کی حقیقی خوشی کی ضمانت اسلام کے ابدی اور روحانی نظام میں مضمر ہے، اس کے بعد میں وہ وقت نہیں بھول سکتی جب میرے قدم جدہ کی شرعی عدالت کی طرف بڑھ رہے تھے، اور میری کپکپاتی زبان اور دھڑکتے دل سے ''لا اله إلا الله محمد رسول الله'' ادا ہو رہا تھا۔

❁❁❁❁❁

قیمتی موتی

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

❁ جھوٹے شخص میں مروت نہیں ہوتی۔

❁ حاسد کو خوشی حاصل نہیں ہوتی اور غمگین میں بھائی چارہ نہیں ہوتا۔

❁ بداخلاق شخص سرداری کے قابل نہیں۔

❁ جو بروں کی صحبت میں بیٹھتا ہے وہ سلامت نہیں رہتا۔

❁ جو بری جگہ جاتا ہے ذلت اٹھاتا ہے۔

❁ جو اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا وہ ذلت اٹھاتا ہے۔

❁ خدا کی قسم اگر تو اللہ کی منع کردہ چیزوں سے رک جائے تو عابد اور زاہد بن جائے گا۔

❁ اللہ کی تقسیم پر راضی ہوگا تو مسلمان بن جائے گا۔

طاہر حسن ضیاءؔ

مدرس مدرسہ قادریہ دعوت القرآن موضع ٹملی دہرادون

❁❁❁❁❁

تجزیہ

دوسری اور آخری قسط

علم کی حقیقی طلب کے چار بنیادی امور

اخلاص وللّٰہیت، مسلسل محنت، بلند ہمتی، ادب واحترام

مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

بقی ابن مخلد کا حیرت انگیز واقعہ:

یہ واقعہ ایک ایسے علم کے شیدائی کا ہے جس نے مغرب بعید سے مشرق تک کئی ہزار میل کا پیدل سفر محض اس لئے طے کیا کہ وہاں کے مسلمانوں کے ایک زبردست امام اور عالم جلیل کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دامن کو ''علم حدیث'' کی دولت سے بھرے لیکن جب وہ علم کا جویا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ جس کی خاطر اس نے یہ طویل وعریض سفر پیدل چل کر کیا ہے، وہ ایک سخت آزمائش میں مبتلا ہے اور درس وتدریس اور لوگوں سے ملنے جلنے پر حکومت کی جانب سے کڑی پابندی عائد ہے، مگر وہ بھی علم کا متوالا اور طالب حقیقی تھا، اس نے حصول علم کے لئے ایک ایسی راہ اختیار کی جس کا تصور بھی ہر کس وناکس کے لیے مشکل ہے۔

بقی بن مخلد کا پیادہ پا سفر بغداد:

علمی دنیا کی قابل قدر تصنیف ''منہج احمد فی تراجم اصحاب امام احمد'' میں امام بقی بن مخلد اندلسی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''حافظ حدیث ابوعبد الرحمٰن بقی بن مخلد اندلسی، ۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے اندلس سے بغداد تک سفر پیدل چل کر طے کیا، مقصد امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر علم حدیث حاصل کرنا تھا۔

وحشت ناک خبر:

خود موصوف سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''جب میں بغداد کے قریب پہنچا اس آزمائش اور امتحان کی خبر ملی جس سے ان دنوں امام احمد بن حنبل دو چار تھے، یہ بھی معلوم ہوا کہ ان سے ملنے اور حدیث سننے کی سرکاری طور پر پابندی ہے، یہ سننا تھا کہ رنج وملال کا پہاڑ میرے اوپر ٹوٹ پڑا، میں وہیں رک گیا، اور سامان ایک کرائے کے کمرے میں رکھ کر بغداد کی عظیم الشان جامع مسجد پہنچا، میں چاہتا تھا کہ لوگوں کے پاس جا کر دیکھوں کہ وہ آپس میں امام موصوف کے بارے میں کیا کیا تبصرے کر رہے ہیں؟ اور ان میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں؟۔

ایک مہذب حلقہ:

اتفاق سے وہاں بہت ہی عمدہ اور مہذب حلقہ لگا ہوا تھا، اور ایک شخص راویان حدیث کے حالات بیان کر رہا تھا، وہ بعض کو ضعیف اور بعض کو قوی قرار دیتا، میں نے اپنے پاس والے آدمی سے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا: یحیٰ بن معین! مجھے آپ کے قریب تھوڑی سی خالی جگہ نظر آئی، میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: شیخ ابوزکریا! میں ایک پردیسی آدمی ہوں جس کا وطن یہاں سے بہت دور ہے، میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، آپ میری خستہ حالی کی بنا پر مجھے جواب سے محروم نہ فرمائیں، انہوں نے کہا: پوچھو کیا پوچھنا ہے؟

چند سوالات:

میں نے چند ایسے محدثین کے بارے میں دریافت کیا جن سے میری ملاقات ہو چکی تھی، انہوں نے بعض کو صحیح اور بعض کو مجروح بتایا، آخر میں ہشام بن عمار کے متعلق پوچھا، موصوف کے پاس میری حاضری بارہا ہوئی ہے، اور ان سے حدیث کا ایک بڑا حصہ حاصل کیا ہے، آپ نے موصوف کا نام سن کر فرمایا: ابوالولید ہشام بن عمار، دمشق

کے رہنے والے، بہت بڑے نمازی، ثقہ بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں۔

میرا اتنا پوچھنا تھا کہ حلقہ والے چیخ پڑے ''جناب بس کیجئے دوسروں کو بھی پوچھنا ہے'' میں نے کھڑے کھڑے عرض کیا ''میں آپ سے احمد بن حنبل کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں، یہ سن کر یحیی بن معین نے بڑے حیرت سے مجھے دیکھا اور کہا: ہم جیسے احمد ابن حنبل کے بارے میں تنقید کریں گے؟ وہ مسلمانوں کے امام، ان کے مسلمہ عالم اور صاحب فضل وکمال، نیز ان میں سب سے بہتر شخص ہیں''۔

امام احمد بن حنبلؒ کے مکان پر:

اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا، اور پوچھتے پوچھتے امام احمد بن حنبل کے مکان پر پہنچ گیا، میں نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی، آپ تشریف لائے اور دروازہ کھول دیا، انہوں نے مجھ پر نظر ڈالی، ظاہر ہے میں ان کے لئے ایک اجنبی تھا، اس لئے میں نے کہا: حضرت والا! میں ایک پردیسی آدمی ہوں، اس شہر میں پہلی بار آنا ہوا ہے، طالب حدیث ہوں، اور یہ سفر محض آپ کی خدمت میں حاضری کی وجہ سے ہوا ہے! انہوں نے فرمایا: ''اندر آجاؤ، کہیں تمہیں کوئی دیکھ نہ لے''۔

سوال وجواب:

جب میں اندر آ گیا تو انہوں نے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا مغرب بعید!! انہوں نے کہا: افریقہ؟ میں نے کہا: اس سے بھی دور ہمیں اپنے ملک سے افریقہ تک جانے کے لیے سمندر پار کرنا پڑتا ہے، میں اندلس کا رہنے والا ہوں!! انہوں نے کہا: واقعی تمہارا وطن بہت دور ہے، تمہارے جیسے شخص کے مقصد کو پورا کرنا اور اس پر ہر ممکن تعاون کرنا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، لیکن کیا کروں، اس وقت آزمائش میں گرفتار ہوں، شاید تمہیں اس کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو!! اس نے کہا جی ہاں، مجھے اس واقعہ کی اطلاع راستہ میں شہر کے قریب پہنچنے پر ہوئی۔

میں بھیکاری بن کر آجایا کروں گا، میں نے عرض کیا: ابوعبداللہ! میں پہلی بار اس شہر میں آیا ہوں، مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا، اگر آپ اجازت دیں تو میں روزانہ آپ کے پاس فقیر کے بھیس میں آجایا کروں گا، اور دروازے پر ویسی ہی صدا لگایا کروں گا جیسی وہ لگاتے ہیں، آپ یہاں تشریف لے آیا کریں، اگر آپ نے روزانہ ایک حدیث بھی سنا دی تو وہ میرے لیے کافی ہے، آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس آمد ورفت نہیں رکھو گے، اور نہ محدثین کے حلقوں میں جاؤ گے، میں نے کہا: آپ کی شرط منظور ہے۔

میرا معمول:

الغرض میں روزانہ اپنے ہاتھ میں ایک لکڑی لیتا، سر پر بھیکاریوں کا سا کپڑا باندھتا، اور کاغذ دوات، آستین کے اندر رکھ کر آپ کے دروازے پر جا کر صدا دیتا ''خدا بہت سادے بابا'' وہاں مانگنے کے یہی دستور تھا، آپ تشریف لاتے اور جب میں اندر ہو جاتا دروازہ بند کر کے کبھی دو، کبھی تین یا اس سے زیادہ حدیثیں بیان فرماتے۔ (صبر و استقامت کے پیکر، ص: ۱۸۱ تا ۱۸۵)

عزیز طلبہ! ذرا دیکھو تو سہی بقی ابن مخلد کی بلند حوصلگی اور علو ہمت کو، کہ ہزاروں میل کا پیادہ سفر کیا اور بھیکاری کے بھیس میں ۱۳ رسال تک حدیث حاصل کی، اسی بلند ہمتی نے انہیں ہمیشہ ہمیش کے لیے ذکر خیر سے یاد کرنے کے لیے بعد والوں کو مجبور کر دیا ہے، اللہ تو ہمارے اسلاف کو امت کی جانب سے بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(٤) ادب:

مسلسل محنت کے ساتھ بلند ہمتی اور اس کے ساتھ استاذ، کتاب، اور آلات علم کا ادب بھی انتہائی ضروری ہے جیسا کہ امام طبرانی نے روایت نقل کی ''و تواضعو لمن تعلمون منه''۔

''جس سے علم سیکھو اس کے ساتھ ادب اور تواضع سے پیش آو!''۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں جس قدر استاذ سے محبت ہو گی اور جتنا استاذ کا ادب واحترام ہوگا اس قدر علم میں برکت ہوگی، اگر استاذ راضی نہ ہو تو علم نہیں آسکتا۔ (اصلاح انقلاب امت)

حضرت تھانویؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ استاذ کا ادب تقوی میں داخل ہے، جو اس میں کوتاہی کرے گا، وہ متقی نہیں ہوگا، حالاں کہ تقوی کی زیادتی علم میں زیادتی کا سبب ہے۔ (التبلیغ)

اساتذہ کرام کے آداب:

طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے استاذوں کا غایت احترام کرے، مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم استاذ سے ایسا ڈرتے تھے جیسے لوگ بادشاہ سے ڈرا کرتے ہیں، حدیث پاک میں بھی یہ حکم ہے کہ جن سے علم حاصل کرو ان سے تواضع سے پیش آؤ۔

(۲) اپنے شیخ کو سب سے فائق سمجھے، حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ جو اپنے استاذ کا حق نہیں سمجھتا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

(۳) استاذ کی رضاء کا ہر وقت خیال رکھے، اس کی ناراضگی سے پرہیز کرے، اتنی دیر اس کے پاس بیٹھے بھی نہیں، جس سے اس کو گراں ہو۔

(۴) استاذ سے اپنے مشاغل میں اور جو پڑھنا ہے اس کے بارے میں خاص طور سے مشورہ کرتا رہے۔

(۵) اس سے نہایت احتراز کرنا چاہئے کہ شرم اور کبر کی وجہ سے اپنے ہم عمر یا اپنے سے عمر میں چھوٹے سے علم حاصل کرنے میں پس وپیش کرے، حضرت اصمعی کہتے ہیں کہ جو علم حاصل کرنے کی ذلت نہیں برداشت کرے گا وہ عمر بھر جہل کی ذلت برداشت کرے گا۔

(۶) یہ بھی ضروری ہے کہ استاذ کی سختی کو تحمل اور برداشت کرے (یہ نہایت اختصار سے مقدمہ ''اوجز المسالک'' سے چند اصول نقل کیے گئے ہیں)۔

(۷) اور یہ تو نہایت مشہور مقولہ اور نہایت مجرب ہے کہ استاذ کی بے حرمتی سے علم کی برکات سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ (آپ بیتی: ۲/۴۶)

(۸) اور عادت اللہ ہمیشہ یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے نفع نہیں اٹھا سکتا، جہاں کہیں ائمہ فن طالب علم کے اصول لکھتے ہیں اس چیز کو نہایت اہتمام سے ذکر فرماتے ہیں، اور محدثین نے تو مستقل طور پر آداب طالب کا باب ذکر کیا ہے جو ''اوجز المسالک'' کے مقدمہ میں مفصل مذکور ہے، اس میں اس چیز کو خاص طور سے ذکر کیا ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے بھی ''احیاء العلوم'' میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ استاذ کے ہاتھ میں اپنی باگ دے دیں، اور بالکل اسی طرح انقیاد کرے جیسا کہ بیمار مشفق طبیب کے سامنے ہوتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں، چاہئے وہ مجھے فروخت کردے یا غلام بنادے۔ (صفحہ: ۶۰)

(۹) میرا تو تجربہ یہاں تک ہے کہ انگریزی طلبہ میں بھی جو لوگ طالب علمی میں اساتذہ کی مار کھاتے ہیں وہ کافی ترقیاں حاصل کرتے ہیں، اونچے اونچے عہدوں پر پہنچتے ہیں، جس کی غرض سے وہ علم حاصل کیا تھا وہ نفع پورے طور پر حاصل ہوتا ہے، اور جو اس زمانہ میں استاذوں کے ساتھ نخوت وتکبر سے رہتے ہیں، وہ بعد میں ڈگریاں لئے ہوئے سفارشیں کراتے ہیں، کہیں اگر ملازمت مل بھی جاتی ہے تو آئے دن اس پر آفات ہی رہتی ہیں، بہرحال جو علم ہو اس کا کمال اس وقت تک ہوتا ہی نہیں اور اس کا نفع حاصل ہی نہیں ہوتا جب تک کہ اس فن کے اساتذہ کا ادب نہ کرے، چہ جائے کہ ان سے مخالفت کرے۔ (صفحہ: ۶۱)

(۱۰) کتاب ''ادب الدنیا والدین'' میں لکھا ہے کہ طالب علم کے لیے استاذ کی خوشامد اور اس کے سامنے تذلل (ذلیل بننا) ضروری ہے، اگر ان دونوں چیزوں کو اختیار کرے گا تو نفع کمائے گا اور دونوں کو چھوڑ دے گا تو محروم رہے گا۔

ارشاد فرمایا ''قوت حافظہ کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں، ان میں اہم سبب اپنے اساتذہ کے لیے دعا کرنا بھی ہے جتنا بھی اس کا اہتمام کیا جائے گا قوت حافظہ میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہے گا۔ (صفحہ: ۶۶)

دارالعلوم کے ایک فاضل مہمان نے زیادہ حافظہ کے وظیفہ کی درخواست کی تو ارشاد فرمایا:

''آپ حضرات کو جو اپنی مادرِ علمی اور اساتذہ سے گہرا ربط اور تعلق ہے یہ بھی قوت حافظہ کے اسباب سے ایک ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جو تبحر علمی اللہ پاک نے عنایت فرمایا تھا اس کے یقیناً بہت سے وجوہ ہونگے، ان میں ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے تمام زندگی اپنے استاذ کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے، اور نہ ادھر پاؤں کر کے سوئے، آج جو شیخ مدنی رحمہ اللہ کا جگہ جگہ ذکر خیر ہے اور ان کے علوم و فیوضات کا سلسلہ روز افزوں ہے اور اب جو ایک صاحب نے بتایا ہے کہ گوجرانوالہ میں ''الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر'' دوبارہ شائع کیا جارہا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ شیخ مدنی رحمہ اللہ نے اپنے استاذ شیخ الہند رحمہ اللہ کی خدمت کی، مالٹا جیل میں گئے اور ساتھ رہے اور کسی ممکن خدمت سے دریغ نہیں کیا۔(صفحہ:۸۱)

ارشاد فرمایا: ''جب تحصیل علم کے تین آداب کو ملحوظ رکھا جائے تب صلاحیت نکھرتی، استعداد جلا پاتی، اور علمی و روحانی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں''۔

(۱) استاذ کا ادب

(۲) مسجد اور درس گاہ کا ادب

(۳) کتاب کا ادب۔(صفحہ:۱۴۱)

ارشاد فرمایا: ادب قلبی کیفیت اور باطنی محبت کا مظہر ہوتا ہے، اس لیے تحصیل علم کے دوران طالب علم کو چاہئے کہ اپنے استاذ کی محبت کو دل کی اتھاہ گہرائیوں میں جگہ دے، اور اس کا دل و جان سے عاشق بن جائے، یا اعمال اور خلوص و محبت کا ایسا مظاہرہ کرے کہ استاذ کے دل میں جگہ پالے اور استاذ کا محبوب بن جائے۔

مگر پہلی صورت کہ اپنے استاذ سے عشق و محبت اور وارفتگی میں دیوانگی و جنون کی حد تک پہنچ جائے، دوسری صورت کی نسبت بے حد نافع اور مفید ہے، ایسے طلبہ علم بھی حاصل کر لیتے ہیں اور ان کا فیض بھی زیادہ پھیلتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: ''والدین کی خدمت سے عمر میں برکت ہوتی ہے اور اساتذہ کی خدمت سے علم میں برکت ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ ان خدمات کے یہ خاصیتی اثرات ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں، چینی کی اپنی لذت ہے، گڑ کا اپنا ذائقہ ہے، مٹھائی کی اپنی چاشنی ہے جو چیز کھائی جائے گی اس کی ذاتی خاصیت کی بناء پر اس کے اثرات و ثمرات اور نتائج مرتب ہونگے، تو والدین کی خدمت سے زیادہ عمر اور اساتذہ کی خدمت سے زیادہ علم اور خدمت علم کے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں''۔(صفحہ:۲۵۹)

استاذ کی روک ٹوک اگر پڑھنے میں ہو تو اس کو برا نہ سمجھے اور نہ چہرے پر شکن پڑے نہ ملال ظاہر کرے، اس لیے کہ اس سے استاذ کے دل میں انقباض پیدا ہو جائے گا اور نفع کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ یہ موقوف ہے انشراح دل اور مناسبت پر اور صورت مذکورہ میں دونوں باتیں نہیں ہیں، بہت بڑا فائدہ اور جلد منفعت کی کنجی یہ ہے کہ جس سے نفع حاصل کرنا ہو خواہ خالق سے یا مخلوق سے، اس کے سامنے اپنے کو مٹا دے اور فنا کر دے، اپنی رائے و تدبیر کو بالکل دخل نہ دے، پھر دیکھئے کیسا نفع حاصل ہوتا ہے، اور یہ بڑا کمال ہے:

تو در وگم شو وصال این ست وبس

تو مباش اصلا کمال این ست وبس

اگر کسی مسئلہ میں استاذ کی تقریر ذہن میں نہ بیٹھے، تو کچھ دیر تک استفادہ کی لہجہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی تقریر کرے، اگر پھر بھی سمجھ میں نہ آوے تو خاموش ہو جائے، اور دل میں یہ رکھ لے کہ اس کی تحقیق کروں گا، بعد میں کتابوں سے اور علماء سے تحقیق کرے، اور اگر اپنی رائے صحیح ہوا اور استاذ حق پسند ہو تو اس کتاب اور بڑے عالم کی تحقیق کو ان کے سامنے پیش کر دے، اگر استاذ کی تقریر صحیح ہو تو معذرت کر دے کہ آپ صحیح فرماتے تھے میں غلطی پر تھا۔

استاذ کے مقابلہ میں مکابرہ، مناظرہ، مجادلہ کی صورت ہرگز نہ

بنائے، یعنی آنکھیں نہ چڑھائیں، گفتگو میں تیزی نہ ہو، پیشانی پر بل نہ ہو، بڑوں کے مقابلہ میں یہ بے ادبی ہے۔ (صفحہ:۴۸۔۴۸)

طالب علم سے اگر استاذ کی بے ادبی یا نافرمانی یا ایذاء رسانی ہو جائے تو فوراً نہایت نیاز وعجز سے معافی چاہے اور الفاظ معافی کے ساتھ اعضاء سے بھی عاجزی وانکساری وندامت ٹپکے، یہ نہیں کہ لٹھ مار دیا کہ، اجی معاف کردو۔

اگر دل میں ندامت ہوگی تو اعضاء سے بھی ندامت ٹپکے گی، اگر یہ بھی نہ ہو تو بناوٹ ہی کردے، اصل نہیں تو نقل ہی سہی، مگر تاخیر نہ کرے، کیونکہ اگر استاذ دنیادار ہوگا تو تاخیر کرنے سے اس کی کدورت بڑھ جائے گی اور تمہارا نقصان ہوگا، اور اگر دیندار ہوگا تو گو وہ کدورت وغیرہ خرافات کو اپنے دل میں جگہ نہ دے گا، کیوں کہ اس کا مشرب یہ ہوتا ہے۔

آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن
بہ نشین در دل ویرانہ ام اے گنج مراد
کفرست در طریقت ما کینہ داشتن
کہ من ایں خانہ ویراں کردم

مگر رنج طبعی ہوگا اور یہ بھی طالب علم کے لیے مضر ہوگا کیونکہ اس حالت میں انشراح قلب نہ رہے گا اور بغیر انشراح قلب نفع نہ ہوگا، اور تاخیر کرنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ جتنی تاخیر ہوگی اتنا ہی حجاب بڑھتا جائے گا۔ (صفحہ:۵۱۔۵۲)

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ھیں:

علمی استعداد سات چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) ذہن (۲) حافظہ (۳) محنت (۴) آلات علم یعنی کتاب، کاغذ، قلم اور تپائی وغیرہ کا ادب (۵) استاذ کا ادب (۶) دعاء (۷) ترک منکرات۔

ان میں سب سے زیادہ اہم چیز ترک منکرات ہے، اس لیے کہ علم دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے، وہ اتنی بڑی دولت صرف اسی کو عطا فرماتے ہیں جو اس کی ہر نافرمانی کو چھوڑ کر اس سے محبت کا ثبوت پیش کرے۔ (جواہر الرشید، ۱/۱۱۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ادب واحترام:

حضرت والا کو اپنے اساتذہ سے اتنا شدید تعلق تھا کہ دوسرے کو نہ تھا، بس یوں کہا جائے کہ عشق تھا، چناں چہ فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھنے میں کبھی محنت نہیں کی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اساتذہ اور بزرگوں کے ساتھ ادب ومحبت کا تعلق رکھنے کی بدولت عطا فرمایا، اور الحمد اللہ! میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنے کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لیے بھی ناراض نہیں کیا اور جتنا میرے قلب میں بزرگان دین کا ادب ہے، آج شاید ہی کسی کے دل میں اتنا ہو۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ:

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ علیہ کے بارے میں متعدد حضرات نے بیان کیا کہ کوئی بات دریافت کرنی ہوتی یا کتاب کا مضمون سمجھنا ہوتا تو اپنے استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے مکان کے دروازہ پر جا کر بیٹھ جاتے، جب حضرت گھر سے باہر نکلتے اس وقت دریافت کرتے اور یہ تقریباً روزانہ ہی کا معمول تھا۔ (آداب المتعلمین:ص۲۷)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ:

مولانا گیلانی اپنے اساتذہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، اور سخت سے سخت وقت پر بھی ان کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کرتے، اور نہ بہانے تلاش کرتے تھے بلکہ فوراً تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوجاتے۔

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، اور اس کے صدقہ میں ایک نئی مسلم مملکت وجود میں آئی جو پاکستان کے نام سے موسوم ہوئی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے چاہا کہ یہاں اسلامی دستور نافذ ہو، اس اسلامی دستور کو مرتب کرنے کے لیے بہت سے علماء کو مولانا عثمانی نے کراچی میں جمع کرنے کی سعی فرمائی، ان میں حضرت مولانا گیلانی رحمہ اللہ کا بھی نام تھا، اس وقت حالات سازگار نہ تھے، مگر استاذ محترم کے حکم کے خلاف کسی بہانہ کی جرأت نہیں فرمائی بلکہ فوراً تشریف لے گئے، مولانا نے خود اپنے ایک خط میں جو علامہ سید

سلیمان ندویؒ کے نام ہے لکھتے ہیں:

''آپ کے ارادہ عدم شرکت سے مطلع ہونے کے بعد خاکسار نے بھی قطعی فیصلہ کراچی نہ جانے کا کر لیا تھا، لیکن مولانا عثمانی کی طرف سے تار اور خطوط کے تسلسل نے فسخ عزم کو انسب خیال کیا ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوئے دل نے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دی''۔ (حیات گیلانی، ص:۲۹۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کا واقعہ:

دنیا کا تجربہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ محض کتابوں کے پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات اور کمالات حاصل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے ''پیش مرد کاملے پامال شو'' پر عمل پیرا ہونا پڑتا ہے، نیز استاذ کا ادب واحترام ہمہ وقت ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، بے ادبی فیوضات کے حصول کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی دل میں اساتذہ کا ادب واحترام اور خدمت کا جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا تھا اور ان کی خدمت باعث صد افتخار سمجھتے تھے، اگر چہ ان کے ہم سبق طلبہ اس سعادت کو بنظر حقارت دیکھتے تھے، جیسا کہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ خود بیان فرماتے ہیں:

''میں خود دیوبند میں تھا تو زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ مدنی رحمہ اللہ کے یہاں بعض اوقات ان کی خدمت کے لیے جایا کرتا اور پاؤں دباتا، اور بعض ساتھی ہنستے کہ یہ چاپلوسی کرتا ہے، مگر یہ ان بزرگوں کی توجہ کا نتیجہ ہے کہ مجھ نالائق انسان سے بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ دین کا کام لیا اور مزید توفیق دے رہے ہیں، ان میں سے کئی اور ساتھی ہیں جو اس راستہ کو چھوڑ چکے ہیں تو علم سارا ادب ہی ادب ہے، دین کا ادب، اساتذہ کا ادب اور علم کا ادب''۔ (ماہنامہ ''الحق'' حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق نمبر: ص۳۳۴)

روشنائی کا ادب اور مجدد الف ثانیؒ کا حال:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک دھبہ روشنائی کا لگا ہوا ہے، جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لئے لگایا جاتا ہے، فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور دھونے کے بعد تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ان دھبہ کو علم کے ساتھ ایک تلبس ونسبت ہے، اس لئے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں لے جائیں، ان حضرات کا ادب جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجات عالیہ عطاء فرمائے تھے، آج کل تو اخبار و رسائل کی فراوانی ہے ان میں قرآنی آیات، احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں، غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، العیاذ باللہ العظیم، معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے، اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔ (مجالس حکیم الامت: ص۲۸۱، ۲۸۲)

حروف کلمات کا ادب:

ایک چمڑہ کا بیگ تھا، کسی مخلص خادم نے بنوایا تھا اور چمڑہ میں لفظ (محمد اشرف علی) کندہ کرا دیا تھا، اس کا حضرت (تھانوی) اتنا ادب کرتے تھے کہ حتی الامکان نیچے اور جگہ بے جگہ نہ رکھتے تھے۔ (حسن العزیز: ۳۲/۴)

کتابوں کا ادب:

آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا، مولانا احمد علی سہارن پوریؒ نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیوں کہ خلاف ادب ہے اور صورۃً جوتوں کو فوقیت دینا ہے کتب دینیہ پر۔ (الافاضات الیومیہ: ۳۲۴/۹)

روشنائی کا ادب:

ایک لفافہ پر روشنائی گر گئی تھی تو اس پر یہ لکھ دیا کہ ''بلا قصد روشنائی گر گئی'' اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لیے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں، جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔ (الفصل للوصل: ۱۹۷)

نہ ہو نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہوتی ہے

اگر آپ دنیا و آخرت میں عزت اور رضاء الٰہی کے طالب ہیں، تو اپنے اندر یہ صفات پیدا کیجیے۔

(۱) اخلاص۔

(۲) لغو اور بیکار امور سے اجتناب۔

(۳) علم پر عمل۔

(۴) اخلاق حسنہ کو زندگی کا لازمی جزبنائیں۔

(۵) تواضع اور عجز اپنے اندر پیدا کریں۔

(۶) وقت کی قدر کریں۔

(۷) کھیل کود اور سیر و تفریح میں اپنا وقت گذارنے سے اجتناب کریں۔

(۷) بلند ہمت کا مظاہرہ کریں اور علم وعمل میں درجہ کمال تک پہنچنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔

(۸) مسلسل رات دن ایک کر کے محنت کریں۔

(۹) مطالعہ کا شوق پیدا کریں اور خوب دینی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اپنے آپ کو مطالعہ کا عادی بنالیں کہ مطالعہ کے بغیر چین نہ آئے۔

(۱۰) نمازوں کا اہتمام تکبیر اولی کے ساتھ کریں، امام ابو یوسف سترہ سال امام ابوحنیفہ کے درس میں فجر سے پہلے حاضر ہوتے تھے، کبھی ایک تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی، امام اعمش کی ۷۰ ستر سال تک تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی، یہ لوگ ہمارے لیے نمونہ ہے۔

(۱۱) غایت درجہ استاذ، کتاب، آلات علم، اور مسجد کا ادب واحترام کریں، علم نافع کے آداب میں مسجد کا ادب بھی شامل ہے، مسجد میں باتیں کرنے سے بھی علم سے محرومی ہوتی ہے۔

(۱۲) نظر کی حفاظت کریں نظر بد سے حافظہ اور ذہانت کمزور ہوتے ہیں۔

(۱۳) گناہوں سے مکمل بچتے رہیں، کیونکہ علم کا نور گناہوں کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۴) جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے کیونکہ وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۱۵) سبق میں بلا ناغہ حاضر رہیں، کیونکہ ایک دین کی غیر حاضری بھی سبق کی برکتوں کو ختم کر دیتی ہے۔

(۱۶) دعاؤں کا اہتمام کرے کیونکہ دعاؤں سے راستے کھل جاتے ہیں، خاص طور پر ادعیہ ماثورہ کو یاد کرنے کا اہتمام کریں، اس لے کہ وہ سریع الاجابہ ہے۔

(۱۷) صبح سویرے جلدی اٹھنے کا اہتمام کریں، کیونکہ وہ برکت کا وقت ہے، دوگانہ پڑھ کر دعاء کریں اور پھر سبق یاد کریں، انشاءاللہ بہت عمدہ اور بہت جلد یاد ہو جائے گا۔

(۱۸) بازاروں کے چکر نہ کاٹے کیونکہ اس سے انسان پر شیطانی اثرات غالب آتے ہیں، اس لیے کہ بازار شیاطین کا اڈا ہوتے ہیں۔

(۱۹) پڑھنے کے ساتھ اپنے آپ کو لکھنے کا عادی بنائیں، مضامین اور مقالات اردو اور عربی میں لکھنے کی مشق کریں، تاکہ علم لوگوں تک پہنچایا جاسکے اور عصر حاضر میں یہ بہت ضروری ہے۔

(۲۰) نحو، صرف، فقہ، اصول فقہ، پر ابتدائی درجات کے طلبہ خاص توجہ دے اور فقہ، حدیث، اور تفسیر پر منتہی طلبہ توجہ دے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی مکمل سعی پیہم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے اسلاف کو بہترین صلہ عطا فرمائے، اور ہم سب کے لیے علم کو نجات کا باعث بنائے تاکہ ہمارے اوپر حجت۔ آمین یارب العالمین

❁❁❁❁❁

یہ شمارہ آپ کو کیسا لگا؟

رسالے کا یہ پانچواں سال ہے، جس کا پہلا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اگر آپ ''نقوش اسلام'' کو مفید پاتے ہیں تو اس کی توسیع اشاعت کی کوشش میں کوئی کمی نہ رکھیں، آپ کی رائے کا ہمیں بے چینی سے انتظار رہے گا۔ (ادارہ)

جائزہ

جب مافیا راج کو ختم کرنے والے خود اس کا حصہ بن گئے

تحریر: مولانا مدثر احمد قاسمی استاذ مرکز المعارف ممبئی.........ترجمہ از انگریزی: مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی شعبۂ انگریزی مرکز احیاء الفکر الاسلامی

ممبئی مافیا اب ممبئی تہذیب کا جز و لا ینفک بن گیا ہے، اسی اور نوے کی دہائیوں میں گروہ وار غیر قانونی سرگرمیاں ممبئی شہر کی شناخت بن گئی تھیں، ۱۹۴۰ء میں کچھ مافیا لوگوں نے برطانوی حکومت کے لئے کام کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان کا دائرہ کار وسیع ہوتا چلا گیا اور حکومت برطانوی کی دلالی سے آگے بڑھ کر اسمگلنگ، ہفتہ وصولی اور پیشہ وارانہ قتل ان کی سرگرمیوں کا حصہ بن گیا اور زمانہ کے ساتھ ساتھ ممبئی شہران کے لئے مضبوط قلعہ بن گیا۔

مگر ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۵ء کے درمیان کا زمانہ مافیائی سرگرمیوں کے لئے خاص طور سے عروج کا زمانہ رہا ہے، اس دہائی میں مافیائی سلطنت میں کچھ فیصلہ کن تبدیلیاں رونما ہوئیں، ایک زمانہ میں داؤد ابراہیم، چھوٹا راجن، ارون گاولی وغیرہ مافیائی میدان کے بڑے کھلاڑی تھے، اس زمانے میں انکاؤنٹر اسپیشلسٹس کو خاصی شہرت ملی، مجرمین کے خلاف ان کی حرکتوں نے ان کی نیند چھین لی تھی، جس کے نتیجے میں پورے ملک نے ان کی جرأت اور بے باکی کو سراہا اور وہ میڈیا کے منظور نظر بن گئے، ہر انکاؤنٹر کے بعد ان کی تصویریں اخبارات کی زینت بنتی تھیں۔

شعبۂ تعمیرات اور فلمی دنیا میں تیزی نے مافیائی سرگرمیوں کو مزید تقویت بخشی، بٹہ وصولی روزانہ کے معمولات میں داخل ہوگئی، بڑے بڑے تجار اور فلمی ستارے وردا راجن، کریم لالہ اور داؤد ابراہیم جیسے مافیاؤں کے آستانوں پر سر تسلیم خم کرتے تھے، جو لوگ مافیاؤں کے خلاف قدم اٹھانے کی جرأت بے جا کا ارتکاب کرتے، ان کا بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا جاتا اور ان کی موت دوسرے لوگوں کے لیے درس عبرت ہوا کرتی تھی۔

مافیا سرغنوں نے جغرافیائی سرحدوں کو عبور کر کے اپنا دائرہ کار احمد آباد، حیدر آباد، بنگلور، کلکتہ اور بھوپال تک پھیلا لیا، زیادہ با اثر لوگوں نے اپنی بے ایمانی اور ظلم وستم کی دکانیں سرحد ہند پار کر کے دبئی، ساؤتھ افریقہ اور لندن تک میں کھول لیں، یہاں تک کہ جرم کی تجارت قومی سطح سے ترقی کر کے بین الاقوامی سطح تک پہنچ گئی۔

ایک اندازے کے مطابق گذشتہ بیس سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ میں تقریباً ۶۰۰ / مافیا پولس کے ساتھ مڈبھیڑ میں مارے گئے، ممبئی پولس نے مڈبھیڑ کی تدبیر اپنائی؛ کیونکہ ان کے خیال میں یہ قیام امن تیز ترین طریقہ تھا، پولس مڈبھیڑ نے ممبئی میں مافیا راج کی کمر توڑ دی اور ناجائز وصولی کے جرائم کا خاتمہ کیا جو ان دنوں پورے شباب پر تھا، حقوق انسانی کی بحالی کے لئے کام کرنے والوں کا خیال ہے کہ اس طرح کی مڈبھیڑ، قیدیوں کے ساتھ تشدد اور جیل میں اموات کا وقوع انسانی حقوق کی پامالی ہے، کیونکہ امن میں پولس والے حکم اور منصف ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ہی وقت میں خود جلاد بھی بن جاتے ہیں۔

بعد میں یہ بات معلوم ہوئی کہ کچھ مافیا کے لوگ پولس سے تصادم میں مارے گئے یا پولس کو ایک خطیر رقم رشوت میں دینے کے بعد بھی ان کا قتل کیا گیا؛ لیکن اب انکاؤنٹر اسپیشلسٹس کی دنیا ہی بدل گئی ہے، وہ ایک دوسرے کو اپنی بدحالی کے لئے ذمہ دار قرار دے رہے ہیں؛ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود اس بات پر سب لوگ متفق ہیں کہ انھیں سیاستدانوں یا I.P.S آفیسروں نے استعمال کیا تھا، اس کے علاوہ انکاؤنٹر اسپیشلسٹس پر یہ بھی الزام ہے کہ ان کا تعلق مافیاؤں سے بھی تھا، چنانچہ انھوں نے ان کی بہت سی غیر قانونی حرکتوں پر سکوت اختیار کیا اور بدلے میں ناجائز طریقے سے پیسے جمع کئے۔

بے ضرر ثابت ہونے والے انکاؤنٹر اسپیشلسٹس کی فہرست میں پردیپ شرما کا چہرہ سب سے نیا ہے، ان کے علاوہ انسپکٹر تین وچار، رونڈرانگرے اور پرفل بھوسلے ابھی بہت سی تفتیشوں کا سامنا کررہے ہیں، پردیپ شرما کی سب سے پہلی تقرری ممبئی کے ماہم پولس اسٹیشن میں ہوئی تھی، دوسالوں کے بعد اس وقت کے اسپیشل برانچ جوہو میں اس کا تبادلہ ہوگیا، ۱۹۹۱ء میں اس کا تعلق جھن جھن والا کالج گھاٹ کوپر کے ایک پروفیسر ارون سنگھ سے ہوا جو سابق چھوٹا راجن او، پی سنگھ کا بھائی تھا اور منشیات کے اسمگلروں سے مربوط تھا، ذرائع کے مطابق اشون نائک گروہ کے لوگوں نے ارون سنگھ کا گولی مار کر قتل کردیا، جلد ہی او، پی سنگھ نے جو شرما کا مخبر بھی تھا اپنے بھائی کے منشیات کی تجارت کو سنبھال لیا۔

۱۹۹۲ء میں جب مافیاؤں کی سرگرمیاں اپنے شباب پر تھیں، راجن گروپ سے مسٹر سنگھ کے روابط بڑھے، ۱۹۹۶ء میں اس کا تبادلہ چندن چوکی میں ہوگیا جو اس وقت کے ڈی، سی، پی، ستیہ پال کی عملداری میں تھا، یہیں شرما اور اس کی ٹیم پر بشمول انسپکٹر نائک کے ایک ردی ڈیلر طارق نبی کا اغوا کرکے دولاکھ روپئے اینٹھنے کا الزام آیا، اس معاملہ میں شرما اور نائک دونوں ہی ملزم تھے۔

او، پی سنگھ کی موت نے معاملے کو بالکل ہی بدل ڈالا، شرما عارف ابوبکر کے واسطے سے داؤد کے گروہ سے تعلق رکھنے والے چھوٹا شکیل سے منسلک ہوگیا، عارف ابوبکر چھوٹا شکیل کا برادر نسبتی تھا، بالآخر جیل میں خواجہ یونس کی موت کے لئے ملزم قرار دئے گئے لوگوں کی فہرست میں اس کا بھی نام آگیا۔

یہ بات واضح رہے کہ انکاؤنٹر کی اصطلاح سب سے پہلے ۱۹۸۳ء میں استعمال ہوئی جب روزانہ کوئی نہ کوئی گروہی تصادم ہوا کرتا تھا، ایک ریٹائرڈ پولس آفیسر کا کہنا ہے کہ جرائم پیشہ گروہ اس قدر مضبوط ہوگئے تھے کہ مقامی پولس خود ہی ان سے خوف زدہ تھی، ایسے نازک حالات میں چند ایسے پولس اہلکاروں کا انتخاب کیا گیا جو اپنی بے مثال جرأت سے ان گروہی تصادم پر قابو پاسکیں، چنانچہ یہ ٹیم پردیپ شرما، دیا نائک، رونڈر انگرے، پرفل بھوسلے، راجو پیلائی، وجے سالسکر سچن وزے اور سنجے کدم پر مشتمل تھی۔

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں: پہلی بات تو یہ کہ پولس مڈبھیڑ میں جتنے بھی لوگ مارے گئے، سب کے سب مسلمان تھے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جرم کی دنیا میں صرف مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ دوسری قوم کے لوگ بھی ہیں، جو اپنی بے ایمانی کی حکومت قائم کرنے کے لئے دنیا کے امن وامان کو پامال کررہے ہیں، دوسری بات جو پہلی بات کے لئے بنیاد بھی بن سکتی ہے، وہ یہ کہ انکاؤنٹر اسپیشلسٹس نیتاؤں اور سفید لبادوں میں ملبوس مافیاؤں کے ہاتھوں میں کھیلتے رہے، انھیں انکاؤنٹر کرتے وقت جرم وسزا، ظلم و انصاف، اور بدعنوانی کے خاتمہ اور قیام امن سے کوئی بحث نہ تھی؛ بلکہ وہ وہی کام انجام دیتے تھے جو ان آقاؤں کا حکم ہوتا تھا، خود انکاؤنٹر اسپیشلسٹس کا کہنا ہے کہ سیاست دانوں اور I.P.S. آفیسروں نے ان کا دیدہ دلیری کے ساتھ استعمال کیا؛ بلکہ ان کا استحصال کیا اور جب ان لوگوں نے محسوس کیا کہ اب ان کا کام ختم ہوچکا ہے، تو انھیں فٹبال کی طرح لات ماردی، یہ نیتاؤں اور پولس آفیسروں کے درمیان گہرے تعلقات کی ایک اور مثال ہے، پولس آفیسر اپنے سیاسی آقاؤں کے فرمان شاہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہیں، گرچہ وہ صحیح ہوں یا غلط۔

لیکن ظلم اور بدعنوانی ہمیشہ پھلنے پھولنے کے لئے نہیں آئی ہے، یہاں کی ہر چیز فانی ہے، چنانچہ اب زمانہ بدل چکا ہے، اب حالات یہ ہیں کہ پہلے جو لوگ جرائم کی دنیا میں شہسواری کرنے پر داد تحسین حاصل کیا کرتے تھے، اب وہ خود ظلم وتشدد کی گرداب میں پھنسی ہوئی دنیا میں اپنی بقا کے لئے ایک ہاری ہوئی جنگ لڑ رہے ہیں، جو لوگ بندوق اور پستول کے سہارے جیتے ہیں، انھیں ایک دن انھیں بندوقوں اور پستولوں کے ذریعے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے، چنانچہ کچھ ایسے انکاؤنٹر اسپیشلسٹس ہیں جن پر ''چاہ کن را چاہ درپیش'' کا فقرہ مکمل صادق آرہا ہے، انھوں نے دوسروں کے لئے کنواں کھودا، اب خود ہی اس کنویں میں گر رہے ہیں، پردیپ شرما کے علاوہ بہت سے پولس اہلکار مختلف وجوہات کی بنیاد پر تنقید وتفتیش کی زد میں آچکے ہیں۔ (بشکریہ ایسٹرن کریسنٹ)

پیکر اخلاص

قحط الرجال کے اس پرفتن دور میں
ایک مخلص اللہ والے عالم دین سے ملاقات

محمد مسعود عزیزی ندوی

آج کے ناگفتہ بہ حالات اور نامساعد دور میں بلکہ قحط الرجال کے اس پرفتن دور میں کوئی کسی کا پرسان حال نہیں، سب اپنی ہی دھن میں کھوئے ہوئے ہیں، اپنے ہی کاموں میں مست ہیں، کسی سے کسی کو کوئی لینا دینا نہیں، خود پرستی اور مفاد پرستی کا ایک سیل رواں ہے جس میں اچھے اچھے ناگ اور اژدھے بھی بہتے جارہے ہیں، یا یوں سمجھ لیجئے کہ اخلاص وللّٰہیت جو انسانیت کی شہ کلید ہے اس کا فقدان ہوتا جارہا ہے، مگر اس احساس میں اچانک اس وقت تبدیلی آجاتی ہے، جب کوئی شخص دین کا جذبہ لے کر اپنے کسی دینی بھائی بلکہ اپنے سے کم علم وکم عمل، اپنے سے بہت چھوٹے آدمی سے ملنے کے لیے للہ فی اللہ محبت میں اخلاص کے ساتھ نکل جاتا ہے۔

راقم کو یہ تحریر قارئین کے نذر کرنے پر خوشی بھی ہورہی ہے کہ اب بھی اس طرح کے مخلص موجود ہیں، اور ایک طرح کی شرمندگی بھی کہ بعض مرتبہ ایسے مخلصین کی خواہی نخواہی ناقدری بھی ہوجاتی ہے، لیکن حقیقت کو واضح کرنا بھی تاریخ کی اصل ترجمانی ہے، کیونکہ یہ کام وہی منصف کرسکتا ہے جس کے دل میں سچائی کی قدر اور جس کے دماغ میں حقیقت شناسی کی اہمیت ہو، اس لیے کہ تاریخ کو بدلنے سے انسانیت کی حقیقت مسخ ہوجاتی ہے اور جب انسانیت بدل جاتی ہے تو اس کا ہر کار خیر بے سود ہوجاتا ہے، اس لیے جہاں تک ممکن ہو تاریخ کو ویسے ہی بیان کرنا چاہئے جیسا کہ اس کا حق ہے، ورنہ تاریخ تو تاریخ ہے، اس میں پانی اور دودھ کو الگ کرنے اور حقیقت اور تکلف کو پرکھنے کی بھرپور صلاحیت ہے۔

۵/ مارچ ۲۰۱۰ء بروز جمعہ تقریباً پونے دس بجے صبح حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی نائب مہتمم جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور تشریف لائے، ان کے ہمراہ مولانا حبیب اللہ قاسمی بھی تھے، دونوں حضرات ناکارہ سے ملاقات اور مرکز احیاء الفکر الاسلامی اور اس کے شعبہ جات کو دیکھنا چاہتے تھے، مگر سوئے اتفاق کہ ان کی آمد کی اطلاع اور ان کا پیغام ناکارہ تک نہ پہنچ سکا اور ان کی کوئی صحیح رہنمائی بھی نہ کرسکا، جس کی بنا پر وہ جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات سے باہر ہی انتظار کرکے واپس لوٹ گئے اور ایک عریضہ لکھ کر جامعہ کے چوکیدار کو دے گئے، ساڑھے دس بجے کے قریب حضرت مولانا کا تحریر کردہ ملفوف اس نامہ سیاہ کو ملا، جو مندرجہ ذیل ہے:

باسمہٖ تعالیٰ

گرامی قدر حضرت مولانا قاری محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جامعہ فاطمۃ الزہراء میں مولانا محمد حبیب اللہ قاسمی استاذ حدیث جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور کی معیت میں حاضری ہوئی۔

آپ سے نہ ملنے کا احساس رہا، دوسرے مدرسہ میں بھی حاضری کا ارادہ تھا، مگر کوئی معقول رہبر نہ مل سکا، اس لیے دعا کرکے واپس ہورہا ہوں، خدا کرے آپ کے تمام مقاصد پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

آپ سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

محمد ہاشم قاسمی کاشف العلوم چھٹمل پور ۱۸/۳/۱۴۳۱ھ

چونکہ اس خط میں مولانا حبیب اللہ کا تذکرہ ہے، اور آخر میں خط کے ختم پر دستخط کے ساتھ جامعہ کاشف العلوم لکھا ہوا تھا، اس لیے صحیح سمجھ نہ پایا، کہ کون ہوں گے، تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب تھے، تو راقم کو انتہائی شرمندگی کے ساتھ افسوس ہوا اور تڑپ کے رہ گیا، چونکہ اس وقت تیر کمان سے نکل چکا تھا اور افسوس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا، اس لیے حضرت مولانا کو فون کیا اور ملاقات نہ ہونے پر شرمندگی کے ساتھ افسوس کا اظہار کیا، اور عرض کیا کہ انشاء اللہ کل خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کی تلافی کروں گا۔

چنانچہ ناکارہ راقم ۶/ مارچ ۲۰۱۰ء سنیچر کی دوپہر میں جامعہ کاشف العلوم حاضر ہوا، جیسے ہی جامعہ پہنچا تو حضرت مولانا محمد اسلم صاحب ناظم جامعہ سے ملاقات ہوگئی، دعا وسلام کے بعد اپنی کتابیں پیش کیں، حضرت مولانا نے چائے وغیرہ سے ضیافت کی اور مزید ادارے کے سلسلہ میں گفتگو کی، اس کے بعد اجازت لے کر حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب کی قیام گاہ پر حاضری ہوئی، حضرت مولانا بڑے پرتپاک انداز میں بہت اخلاص کے ساتھ ملے، مولانا حبیب اللہ بھی وہیں موجود تھے، حضرت مولانا نے پرتکلف ضیافت کی اور دعائیں دیتے رہے، میں نے ملاقات نہ ہونے پر شرمندگی اور افسوس کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ کاش فون کر لیتے، یا کسی طریقہ سے اطلاع ہو جاتی، میں تو گھر ہی پر موجود تھا، آپ کا استقبال کرتا، مگر مجھے کسی طرح اطلاع نہ ہوئی، راقم نے اپنی بعض کتابیں پیش کی، تو ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور پہلے اپنے سر پر رکھ کر کتابوں کی قدر کی اور نامہ سیاہ کی حوصلہ افزائی اور پھر اپنے مطالعہ کی خاص جگہ پر ان کو رکھا، سچی بات یہ ہے کہ جو دوسروں کی عزت اور قدر کرتا ہے تو اس کی عزت اور قدر ہوتی ہے، خود اس معاملہ میں حضرت مولانا ہاشم صاحب کو نمایاں پایا، یہاں پر قابل ذکر اور قابل درس بات مولانا کا اخلاص ہے کہ انہوں نے اس پر نہ کوئی شکایت کی اور نہ شکوہ، ان کی جگہ پر کوئی اور ہوتا تو ناک منھ چڑھاتا، غلط تأثر لیتا، آئندہ نہ آنے کا عہد کرتا اور طرح طرح کے خیالات ذہن میں بٹھاتا، مگر حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب کی عالی ظرفی اور اخلاص وللّٰہیت کی بات دیکھئے کہ وہ جو تحریر لکھ کر گئے، اس میں بھی شکایت کا کوئی جملہ نہیں۔

جب راقم نے فون کیا اور معذرت چاہی تب بھی وہ یہی فرماتے رہے کہ نہیں کوئی بات نہیں، پھر جب ناکارہ اس بات کی تلافی کے لیے حاضر ہوا، تب بھی کوئی شکوہ اور ایسی بات انہوں نے ظاہر نہیں ہونے دی، جس سے محسوس ہوتا کہ حضرت مولانا کے ذہن میں کوئی بات ہے، خوشی خوشی ضیافت کی اور دعائیں دیتے رہے اور فرماتے رہے کہ آپ جیسے مخلص دوستوں کو اپنے لیے سرمایہ آخرت سمجھتا ہوں، پھر ظہر کی نماز آپ کے ساتھ پڑھی، اس کے بعد محبت میں ایک رومال اس ناکارہ کو بطور تحفہ کے پیش کیا اور دو جلدیں اپنے خطبات ''خطبات ہاشم'' کی ایک راقم کے لیے اور ایک اس نامہ سیاہ کے رفیق قاری ندیم کے لیے عنایت فرمائیں اور پھر الوداع کرنے کے لیے گاڑی تک چھوڑنے کے لیے تشریف لائے، دراصل اس زمانہ میں بقلم خود مخلصین کی تو کمی نہیں؛ لیکن حقیقی مخلصین کمیاب ہیں، حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب اس پرفتن دور میں اقل قلیل میں سے ایک اور راقم کے نزدیک موفق من اللہ اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہیں، جو ان سے ملتا ہے اس کے تأثرات اسی طرح کے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے، اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁❁

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''کہ مدارس اسلامیہ میں بے کار پڑے رہنا بھی انگریزی اسکول میں مشغول ہونے سے لاکھوں کروڑوں درجہ بہتر ہے، اگرچہ لیاقت اور کمال حاصل نہ ہو؛ لیکن کم از کم عقائد خراب نہ ہوں گے، اور مسجد میں جھاڑو لگانا اس وکالت اور بیرسٹری سے بہت بہتر ہے جس سے ایمان متزلزل ہو۔ (طلبہ کے لیے تربیتی واقعات صفحہ ۱۹)

(پیش کردہ: حافظ عبدالستار عزیزی مدیر انتظامی نقوش اسلام)

پردۂ نسواں

عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنے کا حکم

محمد شمشیر عالم قاسمی، چرہوی، سہارنپور

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت کی نماز جو کمرے میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو دالان میں ہو، اور اس کی نماز جو اندر والے کمرے میں ہو اس نماز سے بہتر ہے جو عام کمرے میں ہو، اور ایک روایت میں ہے جو حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ عورت کی نماز جو اس کی حویلی میں ہو اس نماز سے بہتر ہے کہ جو اس کے قبیلے کی مسجد میں ہو، ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے اور عورت اس وقت سب سے زیادہ اللہ سے قریب تر ہوتی ہے، جب کہ وہ اپنے گھر کے اندر ہوتی ہے۔ (ترغیب وترہیب صفحہ ۱۳۵/جلد اول)

ان روایتوں میں عورتوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے کی فکر میں نہ پڑیں کیونکہ گھر سے باہر طرح طرح کے آدمی ملتے ہیں، شیطان کے لشکر میں فاسق وفاجر لوگ ہیں، جن کا شیوہ بدنظری اور گنہگاری ہے، لوگ باہر نکلنے والی عورت پر شیطان کے توجہ دلانے پر اپنی نظریں گاڑ دیتے ہیں، مردوں کو مسجدوں میں جا کر نماز باجماعت کی ادائیگی بھی ان کے ذمے لازم کردی گئی ہے اور عورت کے لیے یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر سے باہر نہ نکلے، ہاں اگر بہت ہی مجبوری ہو تو خوب زیادہ پردہ کے اہتمام کے ساتھ نکلنے کی اجازت ہے۔

حضرت ام حمیدؓ ایک صحابی عورت تھی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو محبوب سمجھتی ہوں، آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہو حالانکہ تمہارا کمرے میں نماز پڑھنا دالان میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہارا اپنے قبیلے کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آ کر نماز پڑھو، راوی کا بیان ہے کہ یہ بات سن کر حضرت ام حمیدؓ نے اپنے نماز پڑھنے کی جگہ اپنے گھر کے بالکل اندرونی حصہ میں مقرر کر لی تھی، جہاں خوب تاریکی تھی اور موت آنے تک برابر اسی میں نماز پڑھتی رہیں۔

اس زمانہ کی عورتوں میں دین کی باتوں پر عمل کرنے کا بے پناہ شوق وجذبہ تھا کہ انہوں نے سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اپنے گھر میں بالکل اندر نماز کی جگہ بنالی اور وہیں نماز پڑھتی رہیں، آج کل عورتیں حدیثیں بھی سنتی ہیں، کتابیں بھی پڑھتی ہیں اور شریعت مطہرہ میں جو پردہ کی اہمیت ہے اسے بھی جانتی ہیں؛ لیکن پھر بھی عمل کرنے سے گریز کرتی ہیں، اصل بات تو یہ ہے کہ عورتوں کو دینی زندگی گزارنے کی خاص رغبت ہی نہیں رہی اور جن کو دین کی طرف توجہ ہے وہ بھی دینی احکام کو اپنی عقل اور طبیعت کے مطابق ادا کرنا چاہتی ہیں، شریعت کے مطابق دینی امور کو انجام دینے کا ارادہ نہیں کرتی، طبیعت نے اگر چاہا تو نماز پڑھنی ورنہ نہیں، دنیا کی شرم کی وجہ سے پردہ کرلیا تو کرلیا، کوئی ضروری نہیں سمجھتی، الغرض جو اپنے کو دیندار سمجھتی ہیں وہ بھی کم ہی پردہ کرتی ہیں اور مذکورہ بالا حدیث پر بھی ان کا عمل نا کے برابر ہے، اس کی بہت مثالیں مل جائیں گی۔

حضرت والد صاحب مدظلہ قریب ہی ایک رشتہ داری میں گئے ہوئے تھے، ایک صاحب بصیرت اپنی صاحبزادی کی تعریف کرنے لگے اور اس کی تعریف میں حد سے زیادہ تجاوز کر گئے اور چونکہ وہ خاتون

ہمارے ہی گاؤں سے منسلک تھی، اس لیے خوب تعریف کی گئی، خیر قصہ مختصر یہ ہے کہ وہ خاتون ہمارے ہی گاؤں میں پڑھی لکھی تھی لیکن شریعت پر عمل نہیں بلکہ عقل اور طبیعت کے مطابق عمل کرتی اور رمضان المبارک میں فضائل اعمال کی تعلیم کو قرآن کریم کے مقابلے افضل سمجھتی، اسی طرح بے پردگی کو عیب نہیں سمجھتی اور نہ ہی اس کو اسلامی تعلیمات کا حصہ سمجھتی، یہ حال ہے جو اپنے کو دیندار سمجھتی ہیں اور دیندار گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اور صاحب تربیت شخص کی اولاد ہیں، ان بیچاریوں کا کیا پوچھنا جو دین سے دور ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہونے کے باوجود بھی کوئی عورت یا مرد دین کو عقل یا طبیعت کے تابع سمجھے تو یہ کتنی کم عقلی کی بات ہے، حالانکہ یہ بات مسلم ہے کہ طبیعت پر چلنے میں ثواب نہیں بلکہ شریعت پر چلنے میں ثواب ملتا ہے۔

بعض عورتوں کو نماز کا شوق وذوق ہوتا ہے جو بہت مبارک ہے لیکن مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے کی رغبت رکھتی ہیں اور بہت سے مواقع مثلاً شب برأت، ختم قرآن وغیرہ میں مساجد میں پہنچ جاتی ہیں اور اس کو ثواب سمجھتی ہیں، وہاں بیٹھ کر باتیں بناتی ہیں، جس سے مردوں کی جماعت میں خلل پڑتا ہے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن سے پرہیز کرنا لازم ہے، اگرچہ ہمارے علاقہ میں ایسا کچھ نہیں لیکن بہت سی جگہوں میں ایسا دیکھنے کو ملا ہے، حضرت ام حمید کی روایت سے معلوم ہوا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تھی، اس پر آپؐ نے گھر کے اندر والے کمرے میں نماز پڑھنے کی نصیحت فرمائی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھنا ہزار نمازوں سے بہتر ہے، معلوم ہوا کہ عورتوں کو گھر کے اندر نماز پڑھنا اولی ہے، حضرت ام حمید کے قصے میں یہ جو فرمایا تھا کہ تمہارا اپنے قبیلے کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب عورتیں پردہ کا اہتمام کرتے ہوئے خوشبو لگائے بغیر مسجد میں نماز کے لیے جایا کرتی تھی اور آج کل تو کسی صورت میں درست نہیں ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے ''اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوگی جو مسجد میں جانے کے لیے خوشبو لگائے، جب تک کہ ایسا غسل نہ کرے جیسا ناپاکی دور کرنے کے لیے غسل کیا جاتا ہے''۔(رواہ ابوداؤد)

اور اس پر قانون تھا کہ فرض نماز کا سلام پھیر کر پہلے عورتیں چلی جاتی تھی، ان کی صف سب سے پیچھے ہوتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دوسرے نمازی، اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے تھے، جب عورتیں چلی جاتی تھی تب اٹھتے۔(بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۲۰)

آج کل نہ تو پردہ کا اہتمام ہے، نہ مردوں میں تقوی وطہارت ہے نہ عورتوں میں لباس کا رواج، خوب بن ٹھن کر، خوشبو لگا کر نکلتی ہیں، برقعہ نام کا پہنتی ہیں اور بعض برقعہ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جس کی طرف لوگوں کی نظروں کو شیطان بڑی تیزی سے مائل کرتا ہے اور بہت سی بیچاری تو منھ کھول کر چلتی ہیں، افسوس صد افسوس کہ آج ہمارے معاشرے سے شرم وحیا کا جنازہ نکل چکا ہے، فحش وعریانیت عام ہو چکی ہے، ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک دور وہ تھا کہ جب سڑک پر کسی عورت کی نظر مرد پر پڑ گئی تو عورت دیوار یا سڑک کے کنارے باپردہ کھڑی ہو جاتی، لیکن آج ہمارا لباس اسلامی نہیں، ہمارا ہر فعل شایان اسلام کے خلاف ہے، اسی لیے معاشرے کے اندر بگاڑ آ رہا ہے، ہم نے سائنس وٹیکنالوجی کے اس دور میں اپنی تہذیب اور اسلامی تعلیمات کو بھلا دیا اور اپنی روایات وپاسداری کا لحاظ نہیں رہا، آج کی عورتوں کے برقعے میں اس قدر فیشن رونما ہو رہا ہے کہ اندر کالی ہو یا گوری؛ لیکن برقعہ کی چمک اور دمک دیکھ کر بہت سے انسان گناہوں میں بلاوجہ پھنس رہے ہیں اور یہی پر بس نہیں بلکہ کچھ ایسی بھی ہیں جن کے نقاب میں چہرہ جھلملاتا نظر آتا ہے، آدھی آستین والی قمیص پہنتی ہیں، یا یوں کہئے کہ کپڑا پہنے ہوئے بھی ننگی نظر آتی ہیں، یہ بات عورتوں کو ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایسے کپڑے میں تو نماز بھی نہیں ہوتی باہر نکلنا تو دور کی بات ہے، اللہ تعالی ہماری ماؤں اور بہنوں کو دین صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ ❁❁❁

عشق نبی

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۷؍جولائی ۲۰۰۹ء بروز بدھ بعد نماز مغرب مرکز کی جامع مسجد میں نوجوانوں کے ایک مجمع کے سامنے ہوا تھا، افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا:

دینی بھائیو اور نوجوانو! سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اللہ سے محبت کرنے والے بن جائیں، کیونکہ اللہ کی محبت ایک ایسی چیز اور ایک ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے خالق و مالک سے سب کچھ حاصل کرسکتا ہے، اگر انسان کو اس سے حقیقی محبت حاصل ہوجائے، تو سب کچھ اسی کا ہے، سچ ہے "من کان لله کان الله له" جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا۔

نبی کی محبت کے بغیر ایمان مکمل ہونہیں سکتا

لیکن اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت کریں؛ کیونکہ اصل کامیابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و تعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں ہے، اس لیے ؎

خدا کا ماننے والا مسلماں ہو نہیں سکتا
بجز حب نبی کامل ایماں ہو نہیں سکتا

کیونکہ انسان صرف اللہ کی محبت، اللہ کی وحدانیت کا یقین رکھنے سے اور صرف اللہ کو ماننے سے مسلمان نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ اس وقت دنیا میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں، جتنے بھی افراد اور جتنے بھی انسان ہیں، وہ سب اللہ کا اقرار کرتے ہیں، سوائے دہریوں کے، وہ کسی کو نہیں مانتے، اللہ کا تصور ان کے یہاں نہیں، باقی جتنی بھی قومیں ہیں، وہ سب مانتی ہیں کہ کوئی نہ کوئی پالنہار ہے، کوئی نہ کوئی اس سنسار کا بنانے والا اور اس دنیا کا چلانے والا ہے۔

دلوں کی دھڑکن کی تحقیق

سائنسدانوں نے جب ہمارے دلوں کی دھڑکن کی تحقیق کی یعنی جو ہمارے دلوں سے دھک دھک کی آواز آتی ہے، جس کو ہر آدمی محسوس کرتا ہے، جب اس کی مشین کے ذریعہ سے جانچ کی گئی، اس کو پھیلا کر بڑا کیا گیا، جیسا کہ مشین کے ذریعہ سے فوٹو کاپی چھوٹی اور بڑی کی جاتی ہے اور لوڈ سپیکر کی آواز کم اور زیادہ کی جاتی ہے، اسی طرح دل کے دھڑکنے کی آواز کو جب مشین کے ذریعہ سے پھیلایا گیا، اور بڑا کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ یہ آواز اللہ اللہ کی ہے، اور یہ آواز ہر انسان کے دل سے آتی ہے، دنیا کے اندر جتنی بھی مخلوقات ہیں، چاہے جانور ہوں یا انسان، چاہے وہ چرند و پرند ہوں یا جنگل کے چوپائے وغیرہ، کوئی بھی جانور ہو، سب کے دلوں کی دھڑکنے کی جو آواز ہے، جب اس آواز کو بڑا کیا گیا اور بغور اسے سنا گیا تو یہ دھک دھک کی آواز اللہ اللہ کی آواز معلوم ہوئی اور صاف سنی گئی۔

دل تو اللہ کا اقرار کررہا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کو مانو یا نہ مانو، مگر تمہارا دل تو مان رہا ہے، تم اپنی زبان سے اقرار کرو یا نہ کرو، اس کا کچھ بگڑنے والا نہیں، لیکن تمہارا دل جس پر تمہاری زندگی کی گاڑی چل رہی ہے اور تمہاری مشینری کا جو اہم پرزہ ہے، وہ تو مان ہی رہا ہے، انسان کی زندگی کی اہم چیز کیا ہے؟ دل ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ان فی الجسد مضغة فاذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهي القلب" انسان کے جسم کے

اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہوجاوے تو پورے جسم کا نظام صحیح ہوجائے گا، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جائے گا، سن لو وہ دل ہے، یعنی اگر دل صحیح ہوجائے، تو انسان کی پوری مشین صحیح ہوجائے گی، اور اگر دل گڑبڑ ہوجائے، تو انسان کا نظام درہم برہم ہوجائے گا، تو جب دل کی یہ اہمیت اور پوزیشن ہے اور وہ اس بات کا اقرار کررہا ہے کہ کوئی ہے اس کائنات کا پیدا کرنے والا، اس کا بنانے والا، چاہے کوئی مانے یا نہ مانے، چاہے وہ دھریہ کمیونسٹ ہو، مگر اس کا دل تو کہہ رہا ہے اللہ اللہ!۔

اللّٰہ تعالی سے محبت کے لیے رسول کی اتباع ضروری ھے:

اللہ تبارک وتعالی کی فرمانبرداری کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے، اس لیے اگر ہماری محبت رسول سے ہوگی، تو ہم کامیاب ہوں گے اور ہمارا دین اور ہمارا ایمان مکمل کہلائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر ہم نے صرف خدا کو مانا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ کی، اور آپ کی اطاعت نہ کی تو ہم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔

محمد کی اطاعت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کی اطاعت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، قرآن کریم میں حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا "قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ" اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کا دم بھرتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ مجھے اللہ سے محبت ہے، تو تمہارا دعوی اس وقت تک جھوٹا ہے، تم اپنے دعوے میں اس وقت تک پکے نہیں ہو، جب تک کہ تم میری اتباع نہ کرلو، میری پیروی نہ کرلو، یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع، تو جب اللہ کے رسول کی اتباع کرلو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہیں اللہ سے سچی محبت ہے۔

یہ تو جھوٹی محبت ھے:

کوئی آدمی کسی سے محبت کا دعوی کرے، جیسا کہ ہمارے دوستوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے فلاں سے محبت ہے، اور میری پکی دوستی ہے، ایک طرف تو پکی اور سچی محبت و دوستی کا دعوی کررہا ہے مگر دوسری طرف ایک کپ چائے پلانے کو تیار نہیں ہے، تو بھلا آپ ہی بتاؤ؟ کیسے سمجھا جائے گا کہ اس کی محبت سچی ہے، یہ تو جھوٹی محبت ہے، اسی طرح محبت کا تو دعوی کررہے ہیں مگر ایک روپیہ ادھار دینے کو تیار نہیں، یہ کیسی محبت؟ آپ ہی بتائیں، اگر کوئی آپ سے کہے کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے، اور ملاقات کے لیے آتا نہیں، تو آپ سمجھیں گے کہ وہ جھوٹا ہے اپنی محبت کے دعوی میں، واقعی اگر آپ اللہ سے سچی محبت کا دعوی کرتے ہو، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اور مکمل اتباع کرو۔

اللّٰہ کے رسولؐ کی زندگی آپ لوگوں کے لیے نمونہ ھے:

اللہ تبارک وتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تم مجھ سے محبت کا دعوی کرتے ہو تو میرے رسول کی مانو، ان کی اتباع کرو، ان کی پیروی کرو، ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلو، ان کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرو اور جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منع کریں اس سے رک جاؤ، ارشاد ربانی ہے "وماآتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" کہ جس چیز کا تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اسے لے لو، اسے اختیار کرلو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز آجاؤ، اسی طرح اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" اللہ کے رسول کی زندگی میں تمہارے لیے اسوہ ہے، آئیڈیل ہے، جب تم میرے رسول کی اتباع کروگے تو میں سمجھوں گا کہ تم کو مجھ سے محبت ہے۔

آدھا تیتر اور آدھا بٹیر:

اس لیے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے دلوں میں حضور کی محبت ہے یا نہیں، اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری محبت نہیں ہے، تو ہم نہ پکے مسلمان، نہ پکے مومن، ہمارا ایمان کچا ہے، آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والی بات ہے، فرق کیا ہے مسلمان اور غیر مسلموں میں؟ وہ بھی تو اللہ کو

مانتے ہیں، کہتے ہیں کہ بھگوان ہے اور کوئی مہاشکتی ہے، بس وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے، ان کو یقین نہیں ہے، اور اللہ تعالی فرمارہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانو، ان کی اتباع و پیروی کرو، تو سمجھوں گا کہ تمہیں یقین ہے، تو جب اللہ کے رسول سے ہمیں محبت ہوجائے گی، اللہ کے رسول کی محبت کو ہم اپنے سینے کے اندر بٹھالیں گے، تو ہمیں محبوب کا ہر عمل پسندیدہ معلوم ہوگا، کیونکہ محبوب کا ہر عمل پسندیدہ ہوتا ہے، جیسا کہ آج کل کھیل کی دنیا میں کوئی کھلاڑی کوئی بنیان یا نیکر پہن لے، تو سب لوگ جو کھیل کی دنیا کو پسند کرتے ہیں، وہ وہی نیکر اور وہی کچھا پہنیں گے؛ کیونکہ ان کے کسی محبوب نے پہنا ہے، جو شرٹ یا کوئی خاص قسم کا انڈرویئر یا بنیان اس نے پسند کرلیا، تو لوگ بھی وہی استعمال کریں گے، اور آج کل ایڈورٹائز کا بھی یہ ایک طریقہ ہے کہ کوئی بڑا مشہور کھلاڑی ہوتا ہے، تو کمپنیاں اس کو اپنا کپڑا پہنا کر یا کوئی اور چیز دے کر اس سے ایڈورٹائز کرواتی ہیں، اس طرح وہ کمپنی مشہور ہوجاتی ہے، جیسا کہ آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا کہ ہندوستانی کھلاڑی مثلاً سہارا کمپنی کا کپڑا پہن کر کرکٹ کھیلتے ہیں، تو یہ کس کا ایڈورٹائز ہو رہا ہے، یہ سہارا کمپنی کا ہو رہا ہے، کیونکہ کھلاڑی کبھی ساؤتھ افریقہ میں، کبھی زمباوے اور کبھی آسٹریلیا یا دوسری کسی غیر ملکی سرزمین پر کھیلتے ہیں، تو گویا کہ کھلاڑیوں کو دوگنا نفع ہو رہا ہے، یعنی ان کی کمائی دونوں طرف سے ہو رہی ہے، ایک تو انہیں کھیل کا پیسہ مل رہا ہے اور دوسرا ایڈورٹائز کا، تو جتنا اس کی کمپنی کا ایڈورٹائز ہوگا، جتنی اس کی شہرت ہوگی، اتنا ہی اس کمپنی کا فائدہ ہوگا۔

محبوب کا ہر عمل پسندیدہ ہوتاہے :

چونکہ قاعدہ ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے تو اس کو اس کی ہر ادا، ہر چیز اچھی لگتی ہے، اور اس کو اختیار بھی کرتا ہے، تو جس کو جس کھلاڑی سے محبت ہوگی، وہ اس کھلاڑی کی شرٹ کی طرح سے شرٹ خرید کر لائے گا، جس طرح وہ پہنتا ہے، اسی طرح وہ کپڑا پہنے گا، اور فخر سے کہے گا کہ فلاں کھلاڑی پہنتا ہے اور فلاں ہیرو ایسا کرتا ہے، اور کمنٹری اس طرح سنیں گے گویا کہ پورا قلب اور ذہن و دماغ اسی میں رہتا ہے، یہ محبت کا تقاضہ ہے کہ اس کی محبت ہمارے دلوں میں ہے، تو اگر ہم اللہ کے رسول سے سچی محبت کرتے ہیں، تو ہم چاہیں گے کہ ہم اسی طرح چلیں، جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے، ویسے ہی کھانا کھائیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے، ویسے ہی ہم سوئیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے، ویسے ہی ہم غسل کریں جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم غسل کرتے تھے، ویسے ہی ہم زندگی گزاریں جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم گزارتے تھے، یعنی ہم اپنے قول میں، اپنے عمل میں، اپنے فعل میں، اپنی نجی زندگی میں، ویسے ہی ہوں جیسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے، جیسے آپ سوتے تھے، کھاتے تھے اور کرتے تھے ویسے ہم بھی کریں گے، یہی محبت کا تقاضہ ہے۔

محبت آدمی کو اندھا اور بھرہ بنادیتی ہے :

ہمیں اگر کسی سے محبت ہے، تو بار بار اسی کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، اسی کا ذکر بار بار ہوتا ہے، کوئی بھی بات ہو، کوئی بھی مسئلہ ہو اور کہیں بھی موقع ملے تو ہم اسی کا تذکرہ کرتے ہیں، اور کسی نہ کسی بہانے سے اس کا تذکرہ کر کے اس کا نام لیا جاتا ہے، اگر بیوی سے محبت ہے تو کہیں بھی جائے گا تو اسی کا تذکرہ کرے گا کہ میری بیوی بہت اچھا کھانا بناتی ہے، ایسے چلتی ہے، ایسے لگتی ہے، اتنی اچھی ہے، بہت مطیع وفرمانبردار ہے، کوئی بھی بات ہو، کوئی بھی موقع ہو، اسی کا تذکرہ کرے گا، اور اس کے ایک ایک عمل میں لذت محسوس کرے گا، جس کو کسی سے محبت ہوجاتی ہے، تو ہر وقت اسی کے خیال میں مست رہتا ہے، اور سوچتا ہے کہ وہ ایسا کر رہا ہوگا، ویسا کر رہا ہوگا، لیکن اگر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسے ہی محبت ہوجائے، تو کیا ہم اپنے حبیب کا ہر وقت ذکر نہیں کریں گے؟ کیا ہر وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہوگا؟ بلاشبہ ہمارے گھر میں اور ہماری زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوگا، اگر ہم کھیت میں کام کر رہے ہوں یا بازار میں، ہر وقت

آپ کا تذکرہ ہوگا، چاہے دوکان میں کام کریں یا دفتر میں بیٹھے ہوں، ہر موقع پر انہیں کا خیال رہے گا، اور اگر ہم مجمع میں ہوں تب بھی انہیں کا خیال رہے گا کہ ہمارے نبی ایسا کرتے تھے، ہم بھی ایسا ہی کریں، یہ ہے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور یہ ہے محبت کا تقاضہ، اور محبت کے بارے میں ہے کہ "حبك الشئ يعمى ويصم" یعنی محبت آدمی کو اندھا اور بہرہ بنا دیتی ہے، اگر کسی سے آدمی کو محبت ہو جائے تو اس کے لیے مر مٹنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اور حقیقت میں انہوں نے محبت اور جانثاری کی ایسی مثالیں پیش کیں، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء اور پیغمبروں کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیا کے سب سے بڑے اور سب سے اچھے انسان تھے، ان کی محبت کا انداز اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سب سے پہلے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوی کیا تو اس وقت یقین کرنے والے اور آپ پر ایمان لانے والے پہلے شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے۔

محبت رسول میں گھر کا سارا مال قربان:

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مال جمع کرنے کا حکم دیا کہ جس کے پاس جو بھی ہو وہ لے آئے، تو حضرت عمر فاروقؓ نے گھر کا آدھا مال لا کر پیش کر دیا، اور یہ خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابو بکر صدیق سے بازی لے جاؤں گا، اس کے بعد حضرت ابو بکر اپنا مال لے کر آئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم نے پوچھا کہ ابو بکر! گھر کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو گھر چھوڑ کر آیا ہوں، یعنی پورا کا پورا مال آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

ابو قحافہ: "اے اسماء! (بنت ابو بکر) میں سوچتا ہوں کہ ابو بکر اپنے ساتھ سارا مال و دولت لے جا کر کہیں تمہیں مصیبت میں نہ ڈال دے"۔

اسماء: "دادا جان ایسی کوئی بات نہیں ہے، ابا حضور ہمارے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں"۔

اسماء رضی اللہ عنہا گھر کے ایک کونے میں جہاں ابو بکر رضی اللہ عنہ مال و دولت رکھتے تھے، وہاں کچھ پتھر رکھ دیتی ہیں، اسے کپڑے سے ڈھکنے کے بعد دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہتی ہے۔

اسماء: دادا جان اس پر ہاتھ رکھئے - ابو قحافہ چونکہ نابینا تھے - ڈھیر پر ہاتھ رکھنے کے بعد اسے دولت سمجھتے ہوئے ابو قحافہ بالکل مطمئن ہو جاتے ہیں اور ننھی اسماء سے کہتے ہیں۔

ابو قحافہ: "اے اسماء! اگر ابو بکر اتنا سارا مال و دولت چھوڑ گیا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے، اس نے جو بھی کیا اچھا کیا، اس رقم سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوتی رہیں گی۔

اسماء: "واللہ ابا جان نے ہمارے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے، ایسا کر کے تو میں نے بوڑھے اور نابینا دادا کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے" یہ ہے محبت کا انداز اور یہ ہے جانثاری اور جان و مال کی قربانی۔

غار ثور میں حضور کے ساتھ:

جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم ہوا، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، تو جہاں پر آپ ٹھہرے وہ ایک غار تھا، جس کو 'غار ثور' کہا جاتا ہے، چونکہ غار ثور غیر آباد جگہ تھی، وہاں پر سانپ، بچھوں، کیڑے مکوڑوں کا خطرہ تھا، آپ کہیں بھی غیر آباد اور نئی جگہ پر جائیں گے، تو آپ خطرہ محسوس کریں گے، کیونکہ عام طور پر غار کے اندر سوراخ وغیرہ ہوتے ہیں، تو جب آپ نے غار ثور کے اندر پڑاؤ ڈالا، اور غار میں بہت سے سوراخ تھے، اس لیے غار کو جلدی جلدی حضرت ابو بکر صدیق نے صاف کیا، اور سوراخوں کو بند کیا، مگر پھر بھی ایک سوراخ باقی رہ گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور

سو گئے، حضرت ابوبکر نے سوراخ پر اپنے پیر کے انگوٹھے کو رکھ دیا کہ کہیں کوئی موذی جانور نہ نکل جائے اور آپ کو تکلیف پہنچائے، تھوڑی دیر کے بعد اس سوراخ سے ایک سانپ نے حضرت ابوبکر کو ڈس لیا، یعنی اس انگوٹھے پر کاٹ لیا، چونکہ وہ زہریلا سانپ تھا، اس لیے اپنا اثر بھی دکھایا، مگر قربان جایئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کہ ذرہ برابر آپ نے حرکت نہیں کی کہ کہیں میرے محبوب کی نیند خراب نہ ہوجائے، سانپ کے کاٹنے سے آدمی نہیں مرتا بلکہ وہ تو اس کے خوف اور دہشت سے مرتا ہے، مگر حضرت ابوبکر صدیق نے سانپ کے کاٹنے اور تکلیف کے باوجود اپنے جسم کو نہیں ہلایا کہ کہیں میرے محبوب کی نیند میں خلل نہ پڑ جائے، یہ ہے محبت اور محبت کی انتہا۔

محبت میں تکلیف کو برداشت کرنا:

تکلیف کی وجہ سے حضرت ابوبکر کے آنسو چہرہ انور پر گر گئے، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اور حضرت ابوبکر کے چہرے پر بے چینی محسوس کی، تو پوچھا کہ اے ابوبکر! کیا ہوا؟ تو انہوں نے جواب دیا یارسول اللہ! سانپ نے کاٹ لیا، اور میں نے اس لیے نہیں بتایا اور نہ حرکت کی کہ کہیں آپ کو تکلیف نہ ہو، اور نیند میں خلل پڑے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دکھاؤ کہاں پر کاٹا ہے، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگایا، فوراً شفا ہوگئی، یہ نبی کا تھوک تھا، نبی کے تھوک میں بھی شفا تھی، اس لیے فوراً راحت و آرام ہوگیا، یہ ہے محبت کا انداز، جب محبت ہوجاتی ہے تو ایسے ہی ہوتا ہے، ماں کو چونکہ بچے کی محبت ہوتی ہے اس لیے آپ خود دیکھتے ہوں گے کہ ماں کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کرتی ہے، نہ جاڑے کی فکر، نہ گرمی کی پرواہ، حتی کہ اپنی نیند بھی خراب کرتی ہے اور اپنے جگر کے ٹکڑے کے لیے معلوم نہیں کتنی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاتی ہے، اس کو چوٹ لگ جائے تو پریشان ہوجاتی ہے، اس کے کپڑے میلے یا گیلے ہوجائیں تو ان کو بدلتی ہے، تو یہ کیا ہے؟ یہ محبت کی علامت ہے، اسی طریقے سے حضرت ابوبکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔

حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت تھی کہ حضور کا ذکر آتے ہی وجد میں آجاتے، ایک مرتبہ آپ مدینہ منورہ میں گشت کر رہے تھے، تو گشت کے دوران ایک بوڑھی عورت کی آواز ان کے کانوں میں آئی، تو اس کو غور سے سننے لگے، بوڑھی عورت حضور کی شان میں شعر پڑھ رہی تھی، تو آپ اطمینان کیساتھ بیٹھ کر سننے لگے کہ میرے حبیب کا ذکر ہورہا ہے، میرے محبوب کا تذکرہ ہورہا ہے اور ان کو بہت مزہ آیا اور وہ ان کی یاد میں تڑپ اٹھے اور اندر جاکر پھر اس بوڑھیا سے فرمائش کی کہ پھر وہی اشعار سنائیں، جو آپ کچھ دیر پہلے پڑھ رہی تھیں، چنانچہ انہوں نے پھر سنائے، حضرت عمر پھر لطف اندوز ہوئے، وہ اشعار یہ ہیں: ؎

علی محمد صلوة الابرار صلی علیه الطیبون الاخیار
قدکان قوما بکی بالاسحار یالیت شعری والمنایا اطوار
هل تجمعنی وحبیبی الدار

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نیک اور اچھے لوگ درود پڑھ رہے ہیں، وہ راتوں کو جاگنے والے اور سحر کے وقت روزہ رکھنے والے تھے، موت تو آنی ہی ہے، کاش مجھے یقین ہوجائے کہ مرنے کے بعد مجھے محبوب کا وصل نصیب ہوگا۔

حضرت عمر کافی دیر تک وہیں زمین پر بیٹھے رہے اور اتنے غمگین ہوئے کہ کئی دن تک بیمار رہے، یہ ہے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ حضرت عثمان غنی کے گھر جارہے تھے، تو حضرت عثمانؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم گننے لگے کہ میرے گھر تک کتنے قدم پڑ رہے ہیں، صحابہ کرام نے دیکھ لیا اور حضور سے بتادیا، تو آپ نے پوچھا اے عثمان! یہ کیا کررہے ہو؟ تو حضرت عثمان نے جواب دیا کہ یارسول اللہ میں آپ کے قدم مبارک کے نشانات

شمار کر رہا ہوں کہ میرے گھر تک حضور کے کتنے قدم ہوتے ہیں، جتنے قدم ہوں گے، اتنے ہی غلام آزاد کروں گا، اگر آپ کے پچاس قدم ہیں تو پچاس غلام آزاد کروں گا، اور اس زمانے میں غلام ہوتے تھے اور ان کی قیمت درہم اور دینار ہوتی تھی یعنی آج کی قیمت میں لاکھوں روپیہ، یہ کیا چیز کہلوا رہی ہے محبت، تو جب محبت ہو جاتی ہے تو ایسا ہی جذبہ انسان کے اندر پیدا ہو جاتا ہے، ترتیب وار میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ تھوڑی تھوڑی بات چند جلیل القدر صحابہ کے بارے میں ہو جاوے تاکہ ہمارے دلوں میں بھی محبت کی کوئی چنگاری جل جائے اور ہمیں بھی اس کے نتیجے میں محبت نبی کا کچھ نہ کچھ ذرہ حاصل ہو جائے اور ہماری آخرت سنور جائے اور ہم بھی اپنی محبت کے دعوی میں کچھ کامیاب ہو جائیں، اللہ تعالی ہمیں اپنے رسول کی صحیح اور حقیقی محبت عطا فرمائے آمین۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت :

حضرت علی نوجوانوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے اور حضور کے چچا کے لڑکے تھے، بچپن سے آپ کی خدمت میں رہے، اور بعد میں آپ کے داماد بھی ہو گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے کا حکم ہوا (یعنی ہجرت کا) تو اس رات اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹایا، حالانکہ وہ خطرہ کی رات تھی، اس رات میں کفار اور مشرکین مکہ آپ پر حملہ کرنے والے تھے، لیکن چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہو رہا تھا مکہ کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھتے تھے، کیونکہ سارے لوگ یہ جانتے تھے کہ آپ امین اور صادق ہیں، اگر کسی نے دس روپیہ رکھ دیا، تو چاہے دس مہینہ کے بعد، یا دس سال کے بعد لے تو دس کے دس پورے وہی نوٹ ملتے تھے، اس میں ذرہ برابر گڑبڑی نہیں ہوتی تھی، چاہے وہ چاندی کا زیور یا سونے کا گہنہ کیوں نہ ہوتا، جو آپ امانت رکھتے وہی واپس لوٹاتے، اس میں ذرہ برابر گھوٹالہ اور گڑبڑی نہیں کرتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہہ کر جا رہے ہیں کہ اے علی! یہ امانتیں سنبھالو اور صبح کو لوگوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر کے مدینہ آ جانا، قربان جائیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، وہ ذرہ برابر گھبرائے نہیں، حالانکہ ان کو خطرہ تھا کہ ان پر حملہ کر کے ان کی بوٹیاں بوٹیاں کر دی جائیں گی، لیکن آپ عشق رسول میں سرشار تھے، جیسے پولیس والے گھر پر چھاپہ مارنے آتے ہیں، تو جب اصل مجرم ان کو نہ ملے، تو پولس والے کیا کرتے ہیں، ان کے گھر والوں کو تنگ کرتے ہیں، پریشان کرتے ہیں، اور ایسے ہی اگر چور ڈاکو وغیرہ آ جائیں اور حملہ کریں اور ان کو گھر میں مطلوبہ سامان یا مطلوبہ آدمی نہ ملے تو وہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے توڑ پھوڑ کرتے ہیں اور گھر والوں کو حیران کرتے ہیں، اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کو کہہ کر جا رہے ہیں، مگر حضرت علی گھبرائے نہیں، کیوں نہیں گھبرائے، کیا چیز تھی؟ وہ محبت رسول تھی کہ کچھ بھی ہو جائے، اپنی جان کی بازی لگا دوں گا، اس کے بعد مشرکین مکہ آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بستر پر کوئی آرام سے لیٹا ہے مگر وہ ہکا بکا رہ جاتے ہیں، جب وہ دیکھتے ہیں کہ یہ تو حضرت علی ہیں، ایسے خطرناک موقع پر حضرت علی ذرہ برابر نہیں گھبرائے، واقعی ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ انکار کر دیتا اور کہتا کہ حضرت معاف فرمائیں، اس کے علاوہ کوئی اور خدمت آپ مجھ سے لے سکتے ہیں، مگر مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا، اس لیے کہ یہ خطرہ سے خالی نہیں؛ لیکن وہ کیا چیز تھی، محبت رسول اور عشق نبی تھا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی حضور سے محبت :

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر کی بڑی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن ہیں، کتنی قربانیاں دیتی ہیں، جب حضور سفر ہجرت پر نکلے اور غار کے اندر تشریف فرما تھے، اس وقت حضرت اسماء ہی کھانا پہنچاتی تھیں، جب پہلے دن کھانا دے کر واپس آ رہی تھیں، تو راستہ میں ابوجہل ٹکرا گیا اور سوال کر بیٹھا کہ اے اسماء! کہاں گئی تھی، آپ کے والد صاحب اور حضور کہاں پر ہیں، حضرت اسماء نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے مگر میں بتاؤں گی نہیں، ابوجہل نے دھمکی بھری لہجے میں کہا کہ بتاؤ، ورنہ تمہیں ماروں گا، تو

حضرت اسماء نے جواب دیا کہ کچھ بھی کرلو میں نہیں بتاؤں گی، پھر ابوجہل نے بیچاری حضرت اسماء کو زوردار تھپڑ مارا اور پیٹا، جس سے وہ گرگئیں اور بیہوش ہوگئیں، پھر بھی انہوں نے جواب دیا کہ میری جان جاسکتی ہے مگر میں بتا نہیں سکتی، یہ ہے محبت، جب آدمی کو کسی سے محبت ہوجاتی ہے تو اپنی جان کی بازی لگادیتا ہے اور اپنی جان پر کھیل جاتا ہے، اس کے بعد دوسرے دن کھانا لے کر آئیں، تو حضور نے ان کے چہرے پر کچھ نشانات دیکھے تو دریافت فرمایا اے اسماء یہ کیا ہے؟ تو حضرت اسماء نے پورا واقعہ سنادیا جو ان کے ساتھ پیش آیا تھا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی حضور سے محبت:

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ نے پکڑ لیا اور پکڑ کر مارنا شروع کردیا اور اتنا مارا کہ آپ لہولہان ہوگئے بلکہ آپ کے زندہ ہی بوٹیاں کاٹنے لگے اور آپ کی بوٹیاں کاٹتے کاٹتے کہنے لگے کہ اے خبیب! کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ اگر تیری جگہ محمد ہوں یعنی تجھے چھوڑ دیا جائے اور تیری جگہ محمد کو رکھ دیا جائے "أتحب أن یکون محمد مکانك وأنت ناج" تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ تھے، جو تاریخ میں محفوظ ہیں کہ اگر میں اپنے خاندان میں، اپنے گھر والوں میں، اپنے اہل وعیال میں اور اپنے بال بچوں میں خیریت سے ہوں اور محمد کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو مجھے یہ گوارہ نہیں " واللّٰہ ماأحب أن أکون آمنا وادعا فی أھلی وولدی وأن محمداً یوخز بشوکة" میری بوٹی بوٹی ہوسکتی ہے، میرے جسم کے تمام اعضاء الگ الگ کرسکتے ہو؛ لیکن مجھ کو یہ برداشت نہیں کہ میرے نبی کو ایک کانٹا بھی چبھے، یہ کیا چیز تھی، یہ کون سا جادو تھا، یہ محبت تھی اور حقیقی محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی حضور سے محبت:

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا جب ایمان لائیں، تو ابوجہل ان کو طرح طرح کی سزائیں دیتا تھا، ایک دن اس نے ان کی شرم گاہ پر برچھی ماری اور ان کو بری طرح سے زخمی کردیا، مگر وہ اپنے ایمان سے پھرنے والی نہیں تھیں، بس احد احد کے نعرے لگاتی ہوئیں شہید ہوگئیں، یہ کیا چیز تھی، یہ محبت تھی۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہاکی حضور سے محبت:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب شہدائے احد کی تجہیز وتکفین کے بعد اللہ رب العزت کی حمد وثنا سے فارغ ہوکر مدینہ کا رخ کیا، تو ان کا گزر بنو دینار کی ایک انصاری خاتون کے پاس سے ہوا، جس کے شوہر، بھائی اور باپ اسی غزوے میں شہید ہوگئے تھے۔

قافلے کو دیکھ کر وہ کہنے لگی لوگو! بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟۔

لوگوں نے کہا کہ اے ام فلاں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخیر ہیں، اور بحمد للہ تو جیسا چاہتی ہے ویسے ہی ہیں" مگر تمہارے باپ، بھائی اور شوہر شہید ہوگئے ہیں۔

پھر انہوں نے کہا "مابال محمد" محمد کا کیا حال ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا کہ تمہارے باپ، بھائی اور شوہر کی لاش فلاں جگہ پڑی ہوئی ہے، تو اس عورت نے پھر کہا مجھے محمد کے بارے میں بتاؤ، تو تیسرے نے کہا محمد خیرت سے ہیں اور فلاں جگہ ہیں۔

تو انصاریہ کہتی ہے کہ ذرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور دیکھ لوں، تاکہ میرے بے قرار دل کو قرار آجائے، جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہیں تو بے ساختہ پکار اٹھتی ہے۔

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی
اے شہِ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

وہ بوڑھی عورت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے تو اس کو اطمینان ہوتا ہے اور کہتی ہے کہ جب محمد ہیں تو سب کچھ ہے، محمد کے بعد ہر مشکل آسان ہے، یہ کیا چیز کہلوا رہی ہے۔

دوستو! بھائی قربان، شوہر قربان، باپ قربان، مگر کسی کی پرواہ نہیں، ہاں پرواہ ہے تو محمد کی، یہ ہے محبت اصلی اور حقیقی محبت۔

ڈھال کے لیے اپنے بیٹے کو پیش کرنا:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیدیا تو ایک عورت جن کے پاس بڑے لڑکے نہیں تھے اور وہ عورت بالکل نوجوان تھی، صرف ایک بچہ تھا اور وہ بہت چھوٹا، بھائی باپ جنگ میں شہید ہو چکے تھے، تو وہ پریشان سی ہوگئی اور تڑپ اٹھی کہ کاش! میرے پاس بھی کوئی نوجوان اولاد ہوتی، تو اسے جنگ میں بھیجتی، تو وہ یہ سوچ کر حضور کے پاس گئی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول میری کوئی نوجوان اولاد نہیں ہے بس یہی ایک بچہ ہے، آپ اس کو اپنے ساتھ جنگ میں لے جایئے، تو آپ نے فرمایا کہ یہ بچہ کیا کرے گا جنگ میں، جنگ تو بچوں کا کھیل نہیں ہے، تو عورت نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اسے کسی مجاہد یا کسی لڑنے والے کو دیدیجئے جب دشمن کی طرف سے تلوار یا کسی اور چیز سے حملہ ہوگا تو یہ بچہ ڈھال کا کام کرے گا، یہ کیا چیز کہلوا رہی ہے محبت۔

آج کے دن کوئی ماں ہے، جو اپنے ننھے منھے سے بچے کو جہاد میں ڈھال کے طور پر پیش کرسکتی ہے، نہیں نہیں، آج کل کوئی ایسی ماں موجود نہیں ہے، وہ تو محبت تھی اور محبت میں انسان اپنی جان دیدیتا ہے۔

حضور کی محبت سارے لوگوں سے زیادہ ہونی چاھئیے:

دوستو! جب محبت ہوجاتی ہے تو جس سے محبت ہوتی ہے، اس کے عشق میں ایسی ہی مثالیں اور نظیریں پیش آتی ہیں، جیسی آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں، اور یہ محبت رسول ہی ایسا جوہر ہے جس کے ذریعہ سے ایمان مکمل ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ " لا یؤمن احدکم حتی اکون أحب الیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین" تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میری محبت تمہارے والدین اور تمہاری آل اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو یعنی کہ میں تمہارا محبوب بن جاؤں، تمہارے گھر والوں سے بھی اور تمہارے بال بچوں سے بھی زیادہ، اگر وہ تمہیں محبوب ہیں تو تمہارا ایمان کامل نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کے کامل ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ سب سے زیادہ محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہئے، اپنی بیوی یا اپنے بال بچوں، یا اپنے والدین اور اپنے قریب سے قریب تر آدمی سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہئے، جب ایسی محبت ہوجائے گی تب جاکر ہمارا ایمان کامل درجہ کو پہنچے گا۔

حضورؐ کی مکمل پیروی کرکے ھی منزل مقصود تک پهنچا جاسکتاھے:

اس لئے ہر کام میں حضور ہی کو اسوہ بناؤ، اور آپ کی مکمل اتباع کرو، حضور نے فرمایا "لا یؤمن أحدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به" تم میں کوئی مکمل مؤمن اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمہاری خواہشات اور تمہارے کام سب میری خواہش اور مرضی کے مطابق نہ ہوجائیں۔ ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزیر — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اگر منزل تک پہنچنا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو، کیونکہ جس کو جس سے محبت ہوتی ہے تو وہ ہر معاملہ میں اسی کی نقل کرتا ہے، اسی طرح کھاتا ہے جیسے وہ کھاتا ہے، اسی طرح پہنتا ہے، اسی طرح چلتا ہے اور اسی طرح زندگی بسر کرتا ہے، غرضیکہ اسی کی طرح ہر کام کرتا ہے، محبت کا تقاضہ تو یہی ہے، اور آج تو ہماری جان کا مطالبہ بھی نہیں ہورہا ہے، جس طرح کے صحابہ کرام نے قربانی کے اور جان نثاری کے نمونے پیش کئے ہیں، بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ جو آپ نے بتایا ہے اسے مان لو اور جس سے منع فرمایا ہے اس سے رک جاؤ "ما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا" یہی ہے محبت کا تقاضہ، اگر حضور سے ہماری محبت پکی اور سچی ہے، تو آپ نے جس چیز سے منع کیا ہے، اس سے باز آجاؤ اور جس کا حکم دیا ہے اس کو اختیار کرلو، جب ہمارے اندر یہ چیز پائی جائے گی تو ہمارا ایمان مکمل ہوجائے گا اور ہماری دونوں جہاں میں کامیابی ہوگی، اللہ تعالی اپنے حبیب کی سچی محبت عطا فرمائے۔

❁❁❁

سخن دلنواز

خدمت خلق میں مصروف مولانا محمد عامر صدیقی ندوی اوران کے دینی وعصری، تعلیمی وتربیتی ادارے

مولانا محمد ابصار الحق قاسمی جمعیۃ الفاران التعلیمیۃ والخیریۃ، مئو (یوپی)

یہ مضمون ۲۶ رفروری ۲۰۱۰ء کوالجمعیۃ المحمدیہ للتعلیم والرعایۃ الاجتماعیۃ کے تحت قائم آئی، ٹی، آئی ٹونک کے افتتاح کے موقع پر مولانا محمد یوسف صاحب قاسمی نے پڑھا، افادیت کے پیش نظر قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

صرف اپنے لئے زندہ رہنے والوں اور صرف اپنے لئے سوچنے والوں کی تعداد اس دنیا میں لامحدود ہے، مگر دوسروں کے لئے جینے والے اور دوسروں کے لئے سوچنے اور کچھ کرگزرنے والے لوگ تھوڑے ہی ہیں، جو ہر علاقہ اور ہر طبقہ میں وجود پاتے رہے ہیں، ایسے وجود اور ایسے باکمال نیک افراد ہی بشریت کے لئے مژدۂ جاں فزا، انسانیت کے لئے نئی صبحوں کی بشارت، قوم وملت کے لئے تازہ پھول کی خوشبو، عالم انسانیت کے لئے روشن مستقبل کی امید اور نسل نو کے لئے ترقیات کے اشارے بنتے ہیں۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

ہمارے ملک میں آزادی وطن کے بعد، تقسیم وطن کی کرشمہ سازیوں کے طفیل، ملک کے مسلمانوں کا اقتصادی اور تعلیمی منظر نامہ انتہائی اذیت ناک ہوگیا تھا اور وہ اس لئے کہ مسلمانوں کا پڑھا لکھا خوشحال اور نمایاں طبقہ ہجرت کر گیا، باقی بچے پسماندہ مسلمان، پچھڑے مسلمان، ڈرے اور سہمے مسلمان، احساس کمتری سے دوچار مسلمان، ناخواندہ، ان پڑھ مسلمان، جن کی اپنی پہچان اس نفرت کی دھند میں کھو گئی تھی، جو ملک کے بٹوارے سے پیدا ہوئی تھی، ایسے میں ضرورت تھی کہ کچھ حوصلہ مند، دیدہ ور، پرعزم اور قربانی شعار لوگ ملت کو دستیاب ہوں اور تعلیمی وترقیاتی وسائل کی شیرازہ بندی کے ذریعہ ملت کو ناخواندگی کی دھند سے نکال کر تعلیم وترقی کے اجالوں اور اخلاق وکردار کی بلندیوں تک پہنچائیں، مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ ایک اہم مسئلہ یہ بھی تھا کہ ان کی تعلیم وتربیت اس نہج پر ہو کہ ان کے بنیادی عقائد پر حرف نہ آئے، ان کی اپنی اسلامی تہذیب باقی رہے، ان کا اپنا تشخص متاثر نہ ہو اور اس کے لئے ضروری تھا کہ ملت کے نونہالوں کے لئے ایسی درسگاہیں قائم کی جائیں جو مذہبی تعلیم کو بنیاد بنا کر خواندگی کو عام کریں، مسلم بچیوں کے لئے ایسی تعلیم گاہیں قائم کی جائیں جو ملت اسلامیہ کی بچیوں کو مخلوط نظام تعلیم کی تخریب کاریوں سے محفوظ رکھتے ہوئے انھیں علم وعمل کی روشنی عطا کریں، جو" اقرأ باسم ربک" کا مصداق ہوں۔

قرآں کا بیاں سب کو سناتا ہی رہے گا
توحید کی عظمت کو بتاتا ہی رہے گا
سنت کی حقیقت کو سکھاتا ہی رہے گا
غفلت میں جو ہیں ان کو جگاتا ہی رہے گا

ملت کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے پورے ملک میں اسلام کے جیالے اور خاموش خدام دیں نے اپنی اپنی کوششوں اور کاوشوں سے تعلیمی ادارے قائم کئے، چھوٹے چھوٹے مکاتب سے لے کر بڑی

بڑی درسگاہوں تک کا قیام عمل میں آیا اور اب الحمدللہ ملت کا تعلیمی منظر نامہ صاف ہوتا نظر آ رہا ہے جس کے لئے وہ تمام مجاہدین تعلیم قلبی خراج عقیدت اور دادِ تحسین کے حقدار ہیں، جنھوں نے تعلیم کو دینی و دنیاوی ترقیات کی اساس تصور کرتے ہوئے اس سلسلہ میں کوئی بھی کارنامہ انجام دیا، بالخصوص وہ شخصیات جنھوں نے ملت کو بڑے بڑے تعلیمی ادارے عطا کئے اور جن کے نام تاریخ میں سنہرے حروف سے درج کئے جائیں گے، ان میں سے ایک نام مولانا محمد عامر صدیقی ندوی مدظلہٗ کا بھی ہے۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی کا تعلق، ریاست راجستھان کے شہر ٹونک سے ہے، ٹونک شہر، تاریخی اعتبار سے انتہائی مردم خیز سرزمین ہے، اس شہر نے بڑے بڑے اہل علم، اہل فن اور اہل ادب پیدا کئے جنھوں نے اپنے کارناموں کے ذریعہ اپنی انفرادیت اور اپنا امتیاز قائم کیا، شہر ٹونک میں مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) نے پڑاؤ ڈالا تھا، ان کے ہمراہ علماء، صلحا، فضلا اور مجاہدین کا ایک قافلہ تھا، جس جگہ آپ کے کاروانِ علم و دانش نے قیام کیا، اس جگہ کا نام ہی ''قافلہ'' پڑ گیا۔

جب تقسیم وطن کے بعد پورے ملک کے اسلامیان پر برا وقت آیا تو اس کی ضرب سے ٹونک کی علمی اور ادبی زندگی بھی متاثر ہوئی اور وہ بھی تعلیمی اور اقتصادی اعتبار سے پسماندہ ہوتا چلا گیا، ایسے میں سوال اٹھا کہ ٹونک کی عظمت رفتہ کیسے بحال ہو؟ وہاں کا تعلیمی اور تہذیبی آئینہ کس طرح شفافیت شعار قرار پائے۔؟

تو سب کو اخوت کی ردا بخش رہا ہے
ہر شخص کو راحت کی فضا بخش رہا ہے
ہر لب کو محبت کی صدا بخش رہا ہے
تو عشق نبی، عشق خدا بخش رہا ہے

اس کے لئے پروردگار کی جانب سے، اپنے عزم و حوصلہ کے ذریعہ طوفانوں کا رخ موڑنے والے، آندھیوں میں چراغ روشن کرنے والے، منجدھار سے کشتی نکالنے کی صلاحیت رکھنے والے، ایک مرد مومن جناب خالد صدیقی صاحب کے گھر میں بھٹکتے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے کی سبیل کرنے والے، زندہ تمناؤں کو صیقل کرنے والے، روحوں میں تڑپ اور قلوب میں بیداری کی قندیل روشن کرنے والے، مجاہد صفت انسان کو خاک کے پردے سے وجود عطا ہوا، جن کا نام نامی اسم گرامی مولانا محمد عامر صدیقی ندوی ہے۔

مولانا عامر صدیقی ندوی نے ملت کے بارے میں سوچا، ملت کی زبوں حالی کو خوشحالی میں تبدیل کرنے کے لئے اقدامات کئے اور ملت کو تعلیم و تعلم کے تعلق سے بیش بہا تحائف عطا کئے، ایسے تحائف جو انمٹ ہیں، جو انمول ہیں، جو زندہ جاوید ہیں اور جن کے ذریعہ ملت کے گلشن میں علم و عمل کی خوشبو پھیلتی ہی جائے گی، جہاں سے نسلوں کو ترقیات کی ضمانت حاصل ہوگی اور ملت کو خواندگی کا اعزاز۔

دن رات مقاصد کے لئے گرم سفر ہے
بس پیش نظر تیرے ترقی کی ڈگر ہے
ہر نقش جہالت کا مٹے اس پہ نظر ہے
شاہیں کا تجسس ترا چیتے کا جگر ہے

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی کی تربیت نیک اور صالح والدین کی آغوش میں ہوئی، انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر ٹونک میں ہی حاصل کی، ان کے والد عصری تعلیم سے آراستہ اور سرکاری ملازم تھے بایں ہمہ انھوں نے اپنے ''نور نظر'' کو ''نور ملت'' بنانے کا عزم مصمم کیا اور اپنے لخت جگر کو مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کرایا، ان کے ہونہار فرزند نے مختلف تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے 1994 میں عالمیت کی تعلیم مکمل کی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور دو سال کے دوران شرعی علوم میں فضیلت کی ڈگری 1996ء میں حاصل کرنے کے بعد 2001 میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ''ادب عربی'' میں ایم. اے. کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم کے دوران مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے ان تمام وسائل پر

دسترس حاصل کرنے کی کوشش کی جن کے ذریعہ اسلام کے پیغامات کی ترسیل ہو سکے، انھوں نے تعلیم کے ساتھ مطالعہ کو وطیرہ بنایا اور خطابت وصحافت کے رموز سے بھی آشنائی حاصل کی، انھوں نے نہ صرف اردو زبان بلکہ عربی زبان میں مضمون نگاری کی اور ان کی نگارشات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والے موقر جریدہ ''الرائد'' میں شائع ہوئیں، انھوں نے علامہ حیدر حسن خاں ٹونکی شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ کے حالات زندگی پر ایک کتاب عربی میں تحریر کی جسے حکومت راجستھان نے شائع کیا، ان کی تخلیق ''یتیموں کی کفالت قرآن وحدیث کی روشنی میں'' کتابی شکل میں شائع ہو کر مقبول عام ہوئی، جو قصبہ مظفرآباد، ضلع سہارنپور کے ''دار البحوث والنشر'' سے شائع ہوئی۔

حساس طبیعت کے افراد اور ملک وملت کا درد رکھنے والے حضرات چپکے نہیں بیٹھتے، دل میں انسانیت کا درد رکھنے والے دردمند لوگ ہر پل کچھ کر گزرنے کے لئے بے چین ہوتے ہیں، چنانچہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے اپنے گردوپیش نگاہ دوڑائی، چنانچہ اپنے شہر کے کھوئے ہوئے علمی اور ادبی وقار اور تہذیبی شناخت کی بازیابی کے لئے ان کے دل میں ٹیس اٹھنے لگی، افراد ملت کی زبوں حالیوں کا درد انھیں کچھ کر گزرنے پر اکسانے لگا اور مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے 1999ء میں اپنے علاقہ کی دینی، تعلیمی روحانی اور تہذیبی پسماندگی دور کرنے کا بیڑہ اٹھایا، اور ندوۃ العلماء کی فکری رَو، اور ملی حساسیت کو بروئے کار لاتے ہوئے انھوں نے ''المحمد یہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی'' کی بنیاد رکھی۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

مولانا نے فعال رفقا کی ایک جماعت تیار کی اور ملت کی تعلیمی ضروریات پر نگاہ ڈالی اور مدبرانہ بصیرت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ذریعہ تعلیمی اداروں کے قیام کا فیصلہ کیا، مولانا کی دوربیں نگاہیں حالات پر بھی تھیں اور مستقبل پر بھی، انھوں نے دیکھا کہ اسلامی بیٹیاں مخلوط تعلیمی اداروں میں تعلیم نہیں حاصل کر پاتیں اور وہ تعلیم کے میدان میں پیچھے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے لئے محفوظ تعلیمی اداروں کا بندوبست ہو اور وہ تعلیم یافتہ ہو کر نسلوں میں انقلاب لانے کا وسیلہ بن سکیں، ان کو احساس تھا کہ ایک پڑھی لکھی خاتون، ایک پورے کنبہ کا نقشہ بدل سکتی ہے، ایک پڑھی لکھی ماں اپنی اولاد کو نہ صرف تعلیم سے آراستہ کرنے میں موثر رول ادا کر سکتی ہے؛ بلکہ اپنی اولاد کی تہذیبی سرگرمیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھال سکتی ہے، اس لئے ملت کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کا تعلیم یافتہ ہونا ناگزیر ہے۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے ایک صالح منصوبہ کے تحت بچیوں کی تعلیم کے لئے ایک ایسے اسکول کی بنیاد رکھی جس میں اسلامی ماحول کی مکمل پاسداری کے ساتھ عصری تعلیم دی جائے اور انھوں نے ''المحمد یہ گرلس اسکول'' قائم کر کے پورے ملک کے مسلمانوں کو ایک پیغام دیا کہ ''عصری تعلیم ضرورت'' ہے؛ لیکن ''اسلامی ماحول ضروری ہے'' اور یہ بھی پیغام دیا کہ جو لوگ مدارس عربیہ میں عصری تعلیم کی بات کرتے ہیں وہ عصری اداروں میں مذہبی ترجیحات کی بات کیوں نہیں کرتے، مولانا نے ''المحمد یہ گرلس اسکول'' قائم کر کے اقلیتی عصری اداروں کے سربراہوں کو ایک عملی راہ دکھائی، جسے اپنا کر عصری اور مذہبی تعلیم کے درمیانی فاصلے گھٹائے جا سکتے ہیں۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے اپنا مجاہدانہ سفر جاری رکھتے ہوئے قوم کے نونہالوں کے لئے ''مدرسۃ الامام ابی الحسن علی الحسنی الندوی'' قائم کیا، جس میں ملت کے نونہالوں کی تعلیم کے ساتھ منہج اسلامی کی تربیت کا بھی اہتمام رکھا گیا۔

مولانا نے تعلیمی جہات میں اقدامات کرنے کے ساتھ ہی ساتھ، بے کسوں، افلاس کے ماروں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی دادرسی کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور اپنی فکر رساں کی جولانیوں کے ذریعہ ملت کی بہبود کے لئے نئی نئی راہیں بھی تلاش کرتے رہے۔

ایک وقت آیا جب انھیں محسوس ہوا کہ ملت کی بیٹیوں کے لئے

ایک ادارے کی ضرورت ہے جہاں وہ گھریلو الجھنوں سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف تعلیم وتعلم کے حصول میں اپنا ایک ایک لمحہ صرف کریں اور جب وہ زیور علم سے آراستہ ہوکر نکلیں تو اسلامی تعلیمات اور اسلامی ترجیحات ان کی رگ رگ میں دعوت عمل بن کر رواں دواں ہو، انہیں نبض حالات پر انگلیاں رکھنے کا ہنر آتا ہو، معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کے خلاف اپنی اپنی حدود میں آواز بلند کرنے کا حوصلہ ہو اعلاء کلمۃ اللہ کی ترسیل وتبلیغ کی صلاحیت ہو اور خواتین میں پنپنے والی بے جا رسوم کے خلاف احتجاج اور اصلاح کی استعداد ہو۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے اس عزم کی تشکیل کی غرض سے بچیوں کے اقامتی ادارہ ''مرکز الامین الاسلامی للبنات'' قائم کیا، اس طرح علم وعمل کا ایک نیا کارواں، نئی آب وتاب کے ساتھ رواں دواں ہوا، نئی شمعیں روشن ہونے لگی، علم کی قلندیلیں جلائی جانے لگیں، تعلیمی فضائیں سازگار ہونے لگیں، جہالت کے اندھیرے شکست کھانے لگے اور محسوس کیا جانے لگا کہ شہر ٹونک کا کھویا ہوا علمی اور ادبی وقار آہستہ آہستہ واپس لوٹ رہا ہے۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی مدظلہٗ نے تعلیمی میدان میں قابل ذکر خدمات انجام دیتے ہوئے یہ محسوس کیا کہ بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کو معاشی طور پر خود کفیل بنایا جائے اور کسب حلال کے ذریعہ خوشگوار اور خوشحال زندگی گذارنے کے لئے مختلف فنون میں مہارت پیدا کرنا بے حد ضروری ہے، چنانچہ انھوں نے'' عبداللہ النوری ووکیشنل ٹریننگ سینٹر'' قائم کیا، جس میں مسلم طالبات اپنے ذہنی مناسبت اور ذوق کے میلان کے مطابق مختلف فنون میں مہارت حاصل کرسکیں، اس سینٹر میں کمپیوٹر ٹریننگ، سلائی، کڑھائی وغیرہ کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی نے حالات حاضرہ کا بغور مشاہدہ کیا اور موجودہ دنیا کی تیز رفتار ترقیات کے سلسلہ میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین سے مشورہ کیا اور دنیا کے شانہ بہ شانہ ملک کے تعلیمی وتعمیری ترقیات کے میدان میں حصہ لینے کے لئے امت مسلمہ کے افراد کو تیار کرنے کے لئے ایک آئی، ٹی، آئی، کالج قائم کیا، جس میں مختلف اقسام کی تعلیم وتربیت اور ٹیکنیکل ٹریننگ کا خوبصورت انتظام کیا تاکہ قوم کے بچے ان علوم وفنون کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم وتربیت سے آراستہ ہوکر ملک کے گوشے گوشے میں اپنی اپنی وسعت کے مطابق ملک وملت کی خدمات انجام دے سکیں۔

مولانا ندوی مدظلہٗ نے اپنی سوسائٹی کے زیر اہتمام مختلف رفاہی کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان میں ایک اہم اور عظیم الشان کارنامہ مساجد کی تعمیر کا ہے، شہر ٹونک کے اندر اور مضافات کے علاوہ پورے صوبہ راجستھان کے پسماندہ غریب حاجتمند مسلم بستیوں میں تقریباً چار درجن مساجد تعمیر کرائیں، جس سے اسلامی اور روحانی ماحول بنانے میں کافی مدد ملی اور یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔

انھوں نے مختلف مقامات پر غریب اور پسماندہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لئے تعلیمی وتربیتی مراکز اور مدارس کا جال بچھا دیا، جن میں فرزندان قوم کی تعلیم وتربیت کی اور قیام وطعام کا بہترین انتظام ہے اور وہاں تعلیمی رجحان اور اسلامی ماحول پیدا ہو رہا ہے اور مولانا ندوی مدظلہٗ مسلسل اس میدان میں کوشش کر رہے ہیں کہ ملک اور قوم کو اپنی ذات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکیں، انھوں نے مختلف علاقوں میں پریشان حال لوگوں کے لئے پانی کا معقول بندوبست کیا اس کے لئے انھوں نے بے شمار ہینڈ پمپ، ٹیوب ویل، جیٹ پمپ اور سمر سیبل وغیرہ لگوایا، جس کے ذریعہ خلق خدا کو راحت میسر ہوئی اور وہ مولانا کے لئے سراپا سپاس اور شکر گزار ہوئے۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی مدظلہٗ نے اپنی تعمیر شدہ بہت ساری مساجد میں رمضان المبارک کے بابرکت دنوں میں روزہ داروں کے لئے افطاری کا معقول نظم کیا جس کے ذریعہ مزید روزہ داروں کی دعاؤں کے مستحق ہوئے، انھوں نے ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا انتظام کرکے غربا ومساکین اور حاجت مندوں میں قربانی کا گوشت تقسیم کرنے کا ایک مستحسن قدم اٹھایا۔ ﴿بقیہ صفحہ ۴۸ پر......﴾

سفرنامہ

جو تھی دل میں تمنا ہوگئی پوری

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

۱۴/ مارچ ۲۰۱۰ء بروز اتوار کو مرکز کے ناظم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے ایماء پر محمد پور (ضلع مظفر نگر) غلہ اسکیم کے سلسلہ میں جانا ہوا، بندۂ ناچیز رفیق سفر کے طور پر نقوش اسلام کے توسیع منیجر قاری محمد صالحین کو لیا اور سہارنپور، نانوتہ، تھانہ بھون، شاملی، کیرانہ کے راستہ سے ہوتے ہوئے محمد پور پہنچا، وہاں پہنچنے کے بعد جن جن لوگوں سے ملاقات ہوئی تو ان میں اکثر وبیشتر حجاج ہی ملے، یہ میرا تجربہ نہیں بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ ہر گھر میں ایک حاجی ضرور ہے، یہ تو اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس گاؤں میں حاجیوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس گاؤں میں کوئی مولانا یا مفتی یا عالم دین آجاتا ہے تو لوگ اس کی طرف اس طرح لپکتے ہیں جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

رات کا قیام مولانا محمد ساجد ندوی کے یہاں ہوا جو اپنے خاص دوستوں میں سے ہیں، صبح ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد محمد پور اور قرب وجوار کے بڑے زمیندار لوگوں سے ملاقات ہوئی، خیر خیریت کے بعد مدرسہ کی بات رکھی، سبھوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مرکز کی اعانت کرنے کا وعدہ کیا اور کہا کہ انشاء اللہ آپ مطمئن رہیں، حتی الامکان آپ کے مرکز کی مدد کی جائے گی۔

اب اصل مضمون کی طرف رخ لیتا ہوں، بات یہ ہے کہ راقم آثم جس وقت دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا، تو اکثر جمعرات کے دن یہ دیکھتا تھا کہ دارالعلوم سے بہت سے بچے گنگوہ، نانوتہ، تھانہ بھون جاتے ہیں، میں بھی سوچتا تھا کہ جاؤں لیکن ہمارے سرپرست حضرات جو ہم سے بڑے تھے، وہ یہ کہتے کہ ضرور جایئے گا ابھی جس کام سے آئے ہو پہلے وہ کرلو، میں ان کی بات مان لیتا، لیکن اسی وقت سے دل میں یہ انگڑائیاں لینی شروع ہوگئی تھیں کہ جلد ان حضرات کی قبروں کی زیارت کی جائے؛ لیکن بدقسمتی کہئے یا وقت کی محرومی کہ اس دیار میں رہتے ہوئے آٹھ سال تک کا عرصہ ختم ہونے کے باوجود بھی کبھی اتفاق نہیں ہوا۔

محمد پور سے دل میں یہ ارادہ بٹھالیا تھا کہ تھانہ بھون ضرور حاضر ہونا ہے اور وہاں کی مبارک سرزمین پر کچھ وقت لگانا ہے، پھر کیا ہوا کہ ہر گھڑی ذہن میں تھانہ بھون ہی گردش کرنے لگا، اس لیے تھانہ بھون ایک دوست (مولانا محمد اسماعیل) کے پاس فون کیا، علیک وسلیک کے بعد عرض کیا کہ میں وہاں آنا چاہتا ہوں، تو انہوں نے کہا ضرور آئیں، میں فی الحال دہلی ہوں اور آپ ضرور چلیں میں گھر پہنچ رہا ہوں، بندہ محمد پور سے اپنے رفیق سفر کے ساتھ تھانہ بھون کے لیے روانہ ہوا، تھانہ بھون پہنچنے کے بعد بس اسٹیشن سے بھائی محمد اسماعیل سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا میرے بھائی ابھی میں راستہ میں ہوں اور آدھا گھنٹہ میں پہنچنے والا ہوں، برائے کرم آپ رکشہ کرکے میرے مدرسہ پر پہنچ جائیں میں نے مدرسہ پر قاری محمد محسن صاحب کو فون کردیا ہے۔

پندرہ منٹ کے اندر احقر مدرسہ ''اشرف المدارس'' پہنچ گیا، جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے متصل ہے، وہاں پہنچنے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد چائے وغیرہ میں لگ گئے اتنے میں مغرب کی اذان کا وقت ہوگیا، مغرب کی نماز کے بعد فوراً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی قبر پر حاضری ہوئی، فاتحہ خوانی کے بعد کچھ دیر وہاں کھڑا رہا ہے، اور سوچتا رہا ہے کہ دل میں جو تمنا تھی وہ پوری ہوگئی، ابھی وہیں پر تھا کہ بھائی محمد اسماعیل صاحب کا فون آ گیا کہ مولانا آپ کہاں ہیں؟ میں نے کہاں کہ آپ کے مدرسہ

میں ہوں، بیچارے جلدی جلدی گھر سے مدرسہ آئے اور دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ مجھے بہت خوشی ہے کہ تم ہمارے مدرسہ میں آئے ہو، دیر تک بات ہوتی رہی، عشاء کی اذان ہونے لگی تو مولانا نے کہا چلو کھانا کھالیں، بھوک تو لگی ہی تھی، میں نے کہا ہاں ضرور کھائیں گے، کھانے سے فارغ ہو کر عشاء کی نماز ادا کی گئی، اس کے بعد مولانا محمد اسماعیل صاحب کافی دیر رات تک بات کرتے رہے، سونے کے لیے ہمارا بستر مدرسہ ہی میں لگوایا، میں نے کہا کہ جہاں پر حکیم الامت سوئے ہوئے ہیں، وہاں پر سونا میرے لیے فخر وسعادت اور خوش قسمتی کی بات ہے، خیر مولانا یہ کہہ کر چلے گئے کہ صبح انشاء اللہ پھر ملاقات ہوگی، ہم لوگ اپنے اپنے بستر پر سو گئے، صبح نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ فجر کا وقت ہو گیا، جلدی سے اٹھا وضو کیا اور نماز کے لیے چلا گیا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مزار پر حاضر ہوا، اس کے بعد فوراً خانقاہ گیا، اور وہاں پر ایک باوجاہت شخص کو بیٹھا ہوا دیکھا جن کے اردگرد کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

میں نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا کہ مولانا نجم الحسن صاحب ہیں جو اس خانقاہ کے ذمہ دار ہیں، راقم مسجد کے جنوب میں آیا اور حضرت حاجی صاحب کی خلوت گاہ میں داخل ہوا اور دو رکعت اشراق کی نماز ادا کی، پھر تھوڑا پیچھے ہٹ کر حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خلوت گاہ میں داخل ہوا وہاں بھی دو رکعت نماز پڑھی، اور کافی دیر تک وہیں بیٹھا رہا، دعائیں مانگتا رہا۔

اس کے بعد مولانا نجم الحسن صاحب کے پاس گیا سلام ومصافحہ کیا، اور ''نقوش اسلام'' فروری کا شمارہ پیش کیا اور اپنا تعارف کرایا، انہوں نے فوراً چائے وغیرہ سے ضیافت کی، خیر خیریت پوچھی اور فرمایا کہ آپ کا رسالہ کافی دنوں سے ہمارے یہاں نہیں آرہا ہے، میں نے کہا ہوسکتا ہو کہ ایڈریس ختم ہو گیا ہو، چونکہ شعبان میں کمپیوٹر کے خراب ہونے کی وجہ سے کچھ فائلیں ختم ہو گئیں تھیں، اس لیے ممکن ہے کہ نہ پہنچ رہا ہو، میں نے کہا کہ یہاں کی خانقاہ کے بارے میں کچھ بتلایئے، احقر پہلی مرتبہ یہاں حاضر ہوا ہے، یہاں کی فیوض وبرکات سے ابھی تک بندہ محروم ہے، اس لیے یہاں کی خانقاہ کے بارے میں کچھ بتا دیجئے، تو مولانا نجم الحسن صاحب نے کہا کہ یہ درسگاہ جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ اولیاء اللہ کا مسکن، علماء کرام اور مشائخ عظام کی تربیت گاہ رہی ہے، چنانچہ ابتدائی دور میں یہ جگہ حضرت شاہ پیر محمد صاحب خلیفہ محمد صادق صاحب گنگوہیؒ کے دم سے آباد وشاداب رہی، سامنے جو قبر ہے یہ درویش صفت انسان قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ کی ہے، یہاں پر خاتم مثنوی مولانا رومؒ اور حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ بھی ایک مدت تک رہے، یہ جگہ ''دکان معرفت'' کہلاتی تھی جو برصغیر کی عظیم خانقاہ تھی، یہاں پر تین بزرگ رہا کرتے تھے، جن کو اقطاب ثلثہ کہا جاتا ہے، میں نے پوچھا کہ کون کون صاحب اقطاب ثلثہ ہیں، تو مولانا نے کہا کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت حافظ ضامن شہیدؒ اور حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ ہیں، پھر میں نے پوچھا کہ یہ شیخ محمد تھانوی صاحب کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ شیخ محمد صاحب یہیں کے باشندہ تھے، علم کی تلاش وجستجو میں دہلی پہنچ گئے اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا، یہ بہت بڑے زمیندار گھرانے کے تھے، اس لیے فکر معاش سے مستغنی رہے، اپنی ساری عمر دین کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی، یہ حافظ ضامن شہیدؒ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے، اور نسائی شریف پر ان کا حاشیہ بھی ہے، ان سب بزرگوں کے بعد اس خانقاہ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے از سر نو آباد کیا اور یہ بھی بتایا کہ دارالعلوم دیوبند کے ماتن تو مولانا قاسم نانوتویؒ اور رشید احمد گنگوہیؒ ہیں مگر شارح مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو نور سے منور کرے۔

اس کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے، تو انہوں نے ایک کتاب ''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے نامور خلفاء'' ہدیہ میں پیش کی، میں نے کتاب کو لے کر سینے سے لگایا اور بیگ میں رکھا، اور کہا کہ ''جو تھی دل میں تمنا ہوگئی پوری'' آپ کا بہت بہت شکریہ، پھر دعا وسلام کے بعد وہاں سے رخصت ہوا۔ ❁❁❁

جذبۂ ایمانی

شہیدوں کی ماں

جنگ قادسیہ میں حضرت خنساء کا جذبہ ایمانی

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

حضرت خنساءؓ ایک شاعرہ کی حیثیت سے:

نخلہ اور طائف کے درمیان عکاظ نامی ایک بازار تھا، یہاں ہر سال ایک بڑا میلہ لگتا تھا، اس میلہ میں بڑی چہل پہل رہتی تھی، میلہ دیکھنے کے لیے دور دراز علاقوں سے لوگ دوڑے چلے آتے تھے، اس میلہ کی رونق یہاں کا مشاعرہ تھا، عرب کے مشہور و معروف شاعر اپنا اپنا کلام سنا کر لوگوں کو مسرور کرتے تھے، جس شاعر کا کلام پسندیدہ ہوتا اسی کو ملک الشعراء (شاعروں کا بادشاہ) کا خطاب دیا جاتا، اس کی ایک نقل بیت اللہ میں آویزاں کردی جاتی، اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اس سال کا یہ بہترین کلام ہے، عرب کے شاعروں کا سردار نابغہ زبیانی تھا اس کا فیصلہ قابل قبول ہوتا تھا جس شاعر کے کلام کو وہ فوقیت دیتا وہی شاعر سب کا منظور نظر ہوتا۔

اس بازار عکاظ میں شاعروں کے خیموں کے درمیان ایک خاتون کا خیمہ بھی تھا، خیمہ کے بورڈ پر لکھا تھا یہ شاعروں کی سردار مرثیہ گوئی کی ملکہ خنساء بنت عمرو کا خیمہ ہے، خنساء اپنے دور کی پسندیدہ شاعرہ اور دلکش آواز میں گانے والی خاتون تھی، نابغہ زبیانی شاعروں کے سردار کہتے تھے کہ عورتوں میں خنساء سے بڑھ کر اور کوئی شاعرہ نہیں، خنساء کے وہ مرثیے جو انہوں نے اپنے بھائی کی موت پر لکھے تھے، عربی ادب میں خاص مقام رکھتے تھے، نجد کے قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ان کا تعلق تھا، خنساء تخلص تھا، اصل نام تماضر ہے۔

حضرت خنساءؓ دربار رسالت میں:

اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئیں، حضرت حسان بن ثابتؓ جو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بڑے شاعروں میں سے تھے، حضرت خنساء کے بلند مرتبہ کو مانتے اور پہچانتے تھے، حضرت ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی عورت نے ان سے بہتر اشعار نہیں کہے، نہ ان سے پہلے نہ ان کے بعد، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت کعب بن زبیرؓ کے ساتھ حضرت خنساء کو بھی یہ شرف حاصل ہوا کہ آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کلام سنا اور زبان وبیان کی تعریف فرمائی۔

خنساءؓ کی چار بیٹوں سمیت جنگ قادسیہ میں شرکت:

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت سن ۱۵ھ میں جنگ قادسیہ کا معرکہ پیش آیا، چند ہزار مسلمانوں کے مقابل عجم (ایران) کی عظیم الشان سلطنت تھی، رستم مشہور بہادر جو اپنی شجاعت اور مہارت جنگ میں ممتاز تھا، خود میدان جنگ میں وزیر جنگ اور سپہ سالار اعظم کی حیثیت سے موجود تھا، اس کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی اور کوہ پیکر ہاتھیوں کا ایک غول اور بیشمار گھوڑے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جنگ قادسیہ کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ تھی کہ حضرت صدیق اکبر نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب حضرت خالد بن ولید کو عراق سے شام بھیجا تو عراق کے اکثر حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا، حضرت خالد کے بعد مثنیٰ بن حارثہ اسلامی عراقی لشکر کے سپہ سالار رہے، کچھ ہی مدت بعد خبریں ملیں کہ ایرانی پھر مسلمانوں کے مقابلہ کی زبردست تیاریاں کررہے ہیں،

حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت کو تازہ حالات سے آگاہ کرنے اور ایرانیوں سے نمٹنے کے لیے مزید فوجی مدد لینے کے لیے خود مدینہ منورہ جانا ضروری سمجھا، چنانچہ بشیر بن خصاصہ کو اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ منورہ روانہ ہوگئے، مثنیٰ بن حارثہ جس روز مدینہ منورہ پہنچتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی کا آخری دن تھا، حضرت ابوبکر صدیق نے مرض کی شدت کے باوجود مثنیٰ کو بلا کر عراق کے حالات سنے، پھر حضرت عمر فاروق سے فرمایا، اے عمر! میرا خیال ہے کہ میں آج کے بعد زندہ نہ رہ سکوں گا، جب میں مر جاؤں تو تمہارا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ مثنیٰ کی مدد کے لیے تازہ فوج روانہ کرو، میری موت کی وجہ سے اس میں تاخیر نہ ہو، اسی روز حضرت صدیق کا انتقال ہوگیا، ان کی تدفین سے فارغ ہوتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کو جمع کر کے عراق کے حالات سے آگاہ کیا اور انھیں عراق کی مہم میں شرکت کی ترغیب دی، مگر سلطنت فارس کی عظمت کچھ ایسی دلوں پر چھائی ہوئی تھی کہ سب خاموش رہے، آخر حضرت عمر نے ایک پرزور تقریر کی اور کہا کہ وہ مسلمان کہاں ہیں جنھوں نے اسلام کے لیے اپنے عزیزوں دوستوں اور گھر بار اور مال و دولت کو چھوڑا تھا کیا انہیں یاد نہیں کہ اللہ تعالی نے ان کو دنیا کی حکومت کا وارث بنایا ہے، حضرت مثنیٰ نے بھی تقریر کی اور کہا کہ اے مسلمانو! ہم نے ایرانیوں کے قدم اکھاڑ دیئے ہیں اور عراق کی سرسبز زمینوں پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں، ہمت سے کام لو اور دشمن کا نام و نشان مٹا دو، ان تقریروں سے مجمع میں جوش پھیل گیا، سب سے پہلے ابوعبید ثقفی کھڑے ہوئے اور اپنے آپ کو عراقی مہم کے لیے پیش کیا، اس کے بعد اور مسلمانوں نے اپنے نام پیش کئے، چونکہ پہل ابوعبید کی طرف سے ہوئی تھی اس لیے حضرت عمر نے ان ہی کو امیر لشکر مقرر کیا، حضرت مثنیٰ اور ابوعبید مجاہدین اسلام کا لشکر لے کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔

نمارق اور کسکر میں ایرانیوں کی شکست کے بعد آگے بڑھے، سپہ سالار ایران رستم کو شکستوں کی خبر ملی تو تلملا اٹھا اور بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آیا، ایرانی فوج کے آگے ہاتھیوں کی قطار تھی، عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے، ہاتھیوں کے ہیبت ناک شکل دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے بدکنے لگے، ابوعبید نے للکار کر کہا، مسلمانو! گھوڑوں سے اتر جاؤ اور ہاتھیوں کے ہودوں کی رسیاں کاٹ دو، رسیاں کاٹتے ہی ہودے اپنے سواروں سمیت زمین پر آ رہے ہے، مگر ہاتھی بدک اٹھے، ابوعبید اور ان کے ساتھیوں نے ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹ دیں ایک ہاتھی نے ابوعبید کے سینہ پر پاؤں رکھ کر ان کو کچل دیا، ہڈیاں تک چور چور ہوگئیں ان کے بہت سے ساتھی بھی ہاتھیوں کے غصہ کے شکار ہوئے، ابوعبید کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اس واقعہ میں تقریباً چار ہزار مسلمان شہید ہوئے، مسلمان فوجی اس شکست سے نہایت شرمندہ ہوئے ان میں بہت سے منہ چھپا کر ادھر ادھر نکل گئے، اس کامیابی سے ایرانیوں کے حوصلے بڑھ گئے، رستم نے مسلمانوں سے ایک فیصلہ کن ٹکر لینے کا ارادہ کیا، ادھر مدینہ منورہ میں خلافت تو قع اس معرکہ کی ناکامی کی خبریں پہنچیں تو کہرام مچ گیا، حضرت عمر کو سخت رنج ہوا، آپ نے عرب کے مختلف حصوں سے مجاہدین جمع کر کے مثنیٰ بن حارثہ کی مدد کے لیے روانہ کئے، مقام بویب میں نہر فرات کے دونوں کناروں پر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوگئے، ایرانی نہر فرات پار کر کے مقابلہ پر آئے، لڑائی شروع ہوئی دونوں طرف کے بہادر گھتم گتھا ہوگئے، رستم کی طرف سے جرنیل فوج مہربان کو قبیلہ ثعلب کے ایک نوجوان نے قتل کر دیا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر چیخا کہ میں ہوں تغلب کا نوجوان مہربان کا قاتل، جرنیل فوج کے مارے جانے پر ایرانیوں کے قدم اکھڑ گئے اور نہر پار کرنے کے ارادہ سے بھاگے یہاں حضرت مثنیٰ نے پہلے ہی نہر کا پل تڑوا دیا تھا، ہزاروں قتل ہوئے اور ہزاروں نہر میں ڈوبے، اس لڑائی میں ایک اندازہ کے مطابق ایک لاکھ ایرانی کام آئے، اس شکست سے دارالسلطنت مدائن میں کہرام مچ گیا، ملکہ پوران دخت کو ہٹا کر یزدگرد کو تخت نشین کیا گیا اور پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں،

حضرت کو خبر ملی تو عرب کے مختلف علاقوں میں قاصد بھیجے اور حکم دیا کہ جہاں کہیں کوئی ماہر جنگ بہادر سپاہی مدبر یا مقرر ہو وہ مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر لشکر اسلام میں شامل ہو چنانچہ عرب کے ہر ہر حصہ سے مجاہدین کا سیلاب امنڈ آیا، حضرت خنساء بھی بیٹوں سمیت لشکر اسلام میں شامل ہوئیں، حضرت عمر اس عظیم الشان لشکر کو دیکھ کر خود ہی میدان جنگ میں جانا چاہتے تھے مگر اکابر صحابہ اس کے خلاف تھے، حضرت عمر نے اکابر صحابہ کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا اور حضرت سعد بن وقاص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور عشرہ مبشرہ میں تھے اپنی جگہ اس عظیم لشکر کا سپہ سالار مقرر فرما کر کوچ کا حکم دیا، قادسیہ مقام پر مسلمانوں سے عجمیوں کا سخت مقابلہ ہوا۔

حضرت خنساء کا دل خدا اور رسول کی محبت میں سرشار تھا، چار بیٹے تھے چاروں مجاہد فی سبیل اللہ بہادر نوجوان تھے، حضرت خنساء اپنے چاروں بیٹوں سمیت جنگ قادسیہ میں شریک ہوئیں۔

بیٹوں کو ایک دن پہلے بہت نصیحت کی اور لڑائی کی شرکت پر ابھارا کہنے لگی میرے بیٹو! تم اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے، تم نے اپنی خوشی سے ہجرت کی، اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اسی طرح ایک باپ کی اولاد ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی، نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، نہ میں نے تمہاری شرافت میں دھبہ لگایا، میرے جگر کے ٹکڑو، یاد رکھو! جہاد ہماری سب سے بڑی عبادت ہے، یہ دنیا کیا اور اس کا ساز و سامان کیا، تمہیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آخرت کی باقی رہنے والی زندگی دنیا کی فنا ہو جانے والی زندگی سے کہیں بہتر ہے، اللہ جل شانہ کا پاک ارشاد ہے: "یـایھـا الـذیـن آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا اللّٰہ لعلکم تفلحون"۔

اے ایمان والو! تکالیف پر صبر کرو، اور کفار کے مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لیے تیار رہو تا کہ تم پورے کامیاب ہو۔ (بیان القرآن)

جنگ کے تیسرے دن قیامت خیز معرکہ گرم ہونے کو تھا کہ میدان جنگ میں جوش اور جذبے سے بھری ہوئی آواز گونجی یہ حضرت خنساء کی آواز تھی، ہتھیار سجائے، گھوڑوں کی باگ پکڑے چاروں بیٹے خیمے کے آگے ماں کے سامنے کھڑے تھے، میدان جنگ میں جاتے ہوئے یہ سرفروش ماں کو آخری سلام پیش کرنے اور دعائیں لینے کے لیے رکے ہوئے تھے، ماں نے ایک نظر میدان جنگ پر ڈالی، ایک نظر اپنے پیارے بیٹوں پر، کل پرسوں کا دن بڑا تکلیف دہ تھا، عجمی ہاتھیوں نے مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیا تھا، آج بھی عجمی پوری پوری تیاری سے آئے تھے، مضبوط دل بہادر ماں نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے جگر کے ٹکڑو! اللہ رب العزت کی قسم ہے، تمہاری رگوں میں شریف خون ہے، تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے، میرا سر فخر سے بلند ہے، تمہارے باپ، ماموں، عزیز و اقرباء جس قدر ناز کریں کم ہے، یاد رکھو! ہماری سب سے بڑی عبادت جہاد ہے، یہ دنیا کیا اور اس کا ساز و سامان و دلفریبیاں کیا۔

ہم تو جیتے ہیں شہادت کی تمنا کے لیے

جب تم دیکھو کہ میدان جنگ گرم ہو گیا ہے تو دشمن کی فوجوں پر ٹوٹ پڑو، ان پر ایسا حملہ کرو کہ وہ ہوش وحواس کھو بیٹھیں، اللہ تعالی ضرور بالضرور تمہیں شہادت کی نعمت عظمی سے سرفراز فرمائے گا انشاء اللہ ماں کے الفاظ بیٹوں پر بجلی بن کر گرے۔

شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، بڑھاپے کا سہارا اولاد ہوتی ہے، لیکن ماں کا ایمان کتنا مضبوط ہے اور کیسی بہادر شیر دل ماں ہے کہ چاروں بیٹوں کو ملت اسلامیہ پر قربان کرنے کے لیے بھیج رہی ہے، ان کو جوش دلا رہی ہے، یہ ماں کیسی ماں ہے کہ اپنے بیٹیوں کے سروں پر سہرہ باندھنے کی خواہش نہیں، چاندسی دلہنیں بیاہ لانے کا شوق نہیں، ہاں اس کی نظر میں شہادت ہی دلہن ہے، اور اسی دلہن سے شادی رچانے آج وہ اپنے نوجوان بیٹوں کو خوشی خوشی روانہ کر رہی ہے، گھوڑے دوڑاتے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے یہ ماں کے فرمانبردار بیٹے میدان جنگ میں پہنچے گھوڑے ہیں کہ ہرن کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہیں، مجاہد بیٹے سینہ تانے، دست و باز و کھولے، بے جھجک بجلی کی طرح بڑھ رہے ہیں،

ماں نے کہا تھا تمہارا حسب ونسب بے داغ ہے، الحمدللہ میدان جنگ میں بیٹوں کا کردار بھی بے داغ رہا، ایسے ہی فرزندان ملت کی کوششیں تھیں کہ قادسیہ کے میدان میں تیسرے دن اللہ تعالی نے لشکر اسلام کو فتح عطا فرمائی رستم اور تیس ہزار ایرانیوں کو قتل کر دیا گیا۔

رات ہوئی فوجیں خیموں میں واپس آئیں، مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ کہ آج لشکر اسلام کا کیا حال ہے؟

آدمی نے گھوم پھر کر سارے لشکر کو دیکھا آج دشمن نے مجاہدوں کے ہاتھ سے بری طرح مار کھائی تھی، ہر جگہ شجاعت کے تذکرے ہو رہے تھے، ایک دوسرے کو مبارکباد دی جارہی تھی، اللہ اکبر ایک خیمہ کے آگے اندھیرا تھا، چار بہادروں کی لاشیں یہاں دفن کے لیے رکھی ہوئی تھیں، خیمہ میں ایک بوڑھی خاتون بیٹھی ہوئی ہے، چہرے پر اطمینان کی جھلک ہے، یہ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا چار بیٹوں کی شہادت پر خوش ہیں، اس نیک بخت، شیر دل خاتون کی زبان پر کچھ تھا تو یہ کہ اللہ تعالی کی یہ کیسی مہربانی ہے کہ مجھے شہیدوں کی ماں ہونے کا شرف بخشا، اب میں اس کے سایہ رحمت میں اپنے بچوں سے ملوں گی، واہ واہ ماں بیٹوں نے "وجاهدوا في سبيل الله حق جهاده" پر عمل کر دکھایا، یہ وہی خنساء تھیں جنھوں نے اپنے بھائی صخر کی موت پر ایسا مرثیہ لکھا تھا کہ پتھر کے کلیجے پانی ہوگئے تھے، عکاظ بازار کی فضائیں سوگوار ہوگئی تھیں، لیکن آج لبوں پر مرثیہ نہیں ہے۔

شاعرہ کا نذرانۂ عقیدت سجدۂ شکر ہے، فکر ونظر میں تبدیلی آچکی ہے، ایسی ہی مائیں تھیں بہادر اور صاحب ایمان مائیں جن کے بہادر اور صاحب ایمان بیٹے اسلام کے تحفظ کے لیے قربان ہوتے رہے، اور ایک ایک کر کے دنیا کی عظیم سلطنتوں کے تختے الٹتے رہے، سلام ہو حضرت خنساء کی ہمت عالی پر، سلام ہو اس ماں کے عزم بے باکانہ پر، سلام ہو اے شہیدوں کی ماں تجھ پر۔

"سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار"

﴿بقیہ پچھلے صفحہ ۴۲ رکا﴾ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے پرمسرت موقع پر غریب نادار اور مفلوک الحال افراد کو عیدی تقسیم کر کے عید کی خوشیوں میں سب کو شریک کرنے کا بھی خوبصورت انتظام کیا۔

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی کی فکر، عملی اسپرٹ، بے خطر آتش نمرود میں کود پڑنے کا وصف اور یقین محکم اور عمل پیہم اور مسلسل جدوجہد کی خوبی اپنی مثال آپ ہے، انھوں نے اپنے کارناموں سے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک فرد اگر عزم کر لے کہ اسے ملک وملت کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ کر گزرنا ہے، اس کے دل میں اخلاص ہو، اس کے جذبات صادق ہوں اور بے لوثی اس کا مطمح نظر ہو تو اس کو نصرت خداوندی حاصل ہوتی ہے اور افراد کی حمایتیں ملتی ہیں، نیز ساتھ دینے والے قدم اور مدد کرنے والے ہاتھ میسر آتے ہیں۔

مولانا کی کوششیں جاری ہیں اور ہماری دعا ہے کہ اللہ ان کے حوصلوں کو بلند رکھے اور سرزمین ٹونک ہی نہیں پورے ملک اور ملت کے لئے ایک ''درنایاب'' کی حیثیت رکھنے والے مولانا محمد عامر صدیقی ندوی کا سایہ تادیر قائم رہے اور ان کے قائم کردہ اداروں سے دین وایمان، اخلاق وکردار اور علم وعمل کے چراغ روشن ہوتے رہیں اور ان کا فیض پوری ملت اسلامیہ کے لئے عام اور تام ہو۔

ماہنامہ نقوش اسلام کی چار سالہ قلمی خدمات

اور

اس کی جدوجہد کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

حافظ شوکت علی

ناظم ومہتمم

جامعہ رحیمیہ مظفری، مظفرآباد، ضلع سہارنپور